رہبر علم حدیث

مرتبہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا الطاف حسین صاحب
چشتی، قادری، نقشبندی سہروردی (رحمۃ اللہ علیہ)

مع اضافات وترتیب جدید
مفتی محمد انعام الحق صاحب قاسمی نقشبندی

ناشر: ادارہ فیضان الٰہی، عالی پور، نوساری، گجرات، انڈیا

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب	:	رہبر علم حدیث
ازافادات	:	شیخ الحدیث حضرت مولانا الطاف حسین صاحب چشتی، قادری، نقشبندی سہروردی (رحمۃ اللہ علیہ)
صفحات	:	۱۸۴
ناشر	:	ادارہ فیضان الٰہی، عالی پور، نوساری، گجرات، انڈیا
سن اشاعت	:	صفر المظفر ۱۴۲۷ھ مارچ ۲۰۰۶ء

ملنے کا پتہ
ادارہ فیضان الٰہی، عالی پور، نوساری، گجرات، انڈیا

اعتذار

من صنف فقد استهدف

احباب کا کرم ہے اگر نکتہ چیں نہ ہوں
ورنہ ہم آپ معترف اپنی خطا کے ہیں

احقر الطاف حسین غفرلہ

فہرست مضامین

عناوین	صفحہ	عناوین	صفحہ
مقدمہ	۹	اقسام حدیث کا بیان	۵۷
عرض مرتب	۱۴	باعتبار تعداد رواۃ	۵۷

عناوین	صفحہ	عناوین	صفحہ
تقریظ	۱۶	متواتر	۵۸
طلب علم کے آداب	۲۷	تواتر فعلی	۵۸
حدیث کی تعریف	۳۲	تواتر قولی	۵۹
قول صحابی کو حدیث کہہ سکتے ہیں؟	۳۳	تواتر لفظی	۵۹
موضوع	۳۴	تواتر معنوی	۶۰
غرض	۳۴	خبر واحد	۶۰
غایت	۳۴	مشہور	۶۰
وجہ تسمیہ	۳۵	عزیز	۶۱
شرافت علم حدیث	۳۷	غریب	۶۲
فضیلت علم حدیث	۳۸	متابعت	۶۲
ضرورت حدیث	۴۰	متابع	۶۳
حدیث تفسیر قرآن ہے	۴۱	شاہد	۶۳
حفاظت دین	۴۳	اقسام حدیث باعتبار رواۃ	۶۴
حفاظت حدیث کے اسباب	۴۵	باعتبار حذف راوی	۶۹
کتابت حدیث	۴۷	متصل	۶۹
ضبط حدیث کی صورتیں ہیں	۴۷	مسند	۷۰
حجیت خبر متواتر	۴۹	منقطع	۷۰
حجیت خبر مشہور	۵۰	معلق	۷۱
حجیت خبر عزیز	۵۰	معضل	۷۲
حجیت خبر واحد	۵۱	مرسل	۷۳
اشکال	۵۲	مدلس	۷۳
جواب	۵۳	منتہائے سند کے اعتبار سے	☆
علوم نبوی کی قسمیں	۵۵	حدیث کی تقسیم	۷۴
عناوین	صفحہ	عناوین	صفحہ
حدیث مرفوع	۷۴	تعداد صحابہ	۸۱
حدیث موقوف	۷۵	تابعین	۸۱

عناوین	صفحہ	عناوین	صفحہ
● ......مقطوع	۷۵	● ......مختصرین	۸۲
● ......حدیث قدسی	۷۶	● ......طبقات کتب حدیث	۸۳
● ......فرق	۷۶	● ......طبقۂ اولیٰ	۸۳
● ......حدیث کی چند قسمیں	۷۷	● ......طبقۂ ثانیہ	۸۳
● ......مسلسل	۷۷	● ......طبقۂ ثالثہ	۸۴
● ......معنعن	۷۷	● ......طبقۂ رابعہ	۸۵
● ......مؤنن	۷۷	● ......طبقۂ خامسہ	۸۵
● ......حاملین حدیث کے اقسام	۷۸	● ......اصحاب صحاح ستہ........	۸۷
● ......طالب حدیث	۷۸	● ......ائمۂ اربعہ.........	۸۷
● ......محدث	۷۸	● ......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ	۸۸
● ......حافظ	۷۹	● ......ولادت	۸۸
● ......حجت	۷۹	● ......قوت حافظہ	۸۹
● ......حاکم	۷۹	● ......وفات	۹۲
● ......تعریف صحابی	۸۰	● ......بخاری شریف	۹۲
● ......تابعی کی تعریف	۸۰	● ......وجہ تالیف	۹۳
عناوین	صفحہ	عناوین	صفحہ
● ......کیفیت تالیف	۹۴	● ......امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۹
● ......فضائل	۹۵	● ......مناقب	۱۰۹

عناوین	صفحہ	عناوین	صفحہ
● ......تعداد روایات	۹۶	● ......قوت حافظہ	۱۱۰
● ......خصوصیات بخاری	۹۶	● ......تین ہم نام بزرگ	۱۱۲
● ...... بخاری میں امام اعظمؒ کی	☆	● ......ترمذی شریف	۱۱۲
روایت کیوں نہیں؟	۹۸	● ......وجہ تالیف	۱۱۲
● ......امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۰	● ......فضائل	۱۱۳
● ......ولادت	۱۰۰	● ......تعداد روایات	۱۱۴
● ......مناقب	۱۰۰	● ......خصوصیات ترمذی	۱۱۴
● ......امام بخاریؒ کی خدمت میں	۱۰۱	● ......امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۶
● ......وفات	۱۰۲	● ......مناقب	۱۱۶
● ......وجہ تالیف	۱۰۳	● ......ابوداؤد شریف	۱۱۸
● ......زمانۂ تالیف	۱۰۳	● ......وجہ تالیف	۱۱۸
● ......فضائل	۱۰۴	● ......زمانہ تالیف	۱۱۹
● ......تعداد روایات	۱۰۵	● ......فضائل	۱۱۹
● ......نسخۂ مسلم	۱۰۵	● ......تعداد روایات	۱۲۰
● ......خصوصیات مسلم	۱۰۶	● ......نسخہ	۱۲۰
عناوین	صفحہ	عناوین	صفحہ
● ......چار احادیث خلاصۂ دین	۱۲۰	● ......تعداد روایات	۱۳۲
● ......وفات:	۱۲۱	● ......نسخہ	۱۳۲

● خصوصیات ابوداؤد	۱۲۲	● خلاصۂ مضامین	۱۳۳
● امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۴	● خصوصیات	۱۳۳
● مناقب	۱۲۴	● امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۴
● علمی منقبت	۱۲۵	● مناقب	۱۳۴
● نسائی شریف	۱۲۵	● وفات	۱۳۵
● وجہ تالیف	۱۲۵	● مؤطا مالک	۱۳۶
● فضائل	۱۲۶	● وجہ تالیف	۱۳۶
● تعداد روایات	۱۲۶	● زمانہ تالیف	۱۳۶
● نسخہ	۱۲۷	● وجہ تسمیہ	۱۳۷
● وفات	۱۲۷	● فضائل	۱۳۷
● خصوصیات	۱۲۸	● تعداد روایات	۱۳۷
● امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۰	● نسخہ	۱۳۸
● ابن ماجہ	۱۳۰	● خصوصیات مؤطا مالک	۱۳۸
● مناقب	۱۳۰	● امام محمد رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۰
● ابن ماجہ شریف	۱۳۱	● مناقب	۱۴۰
● فضائل	۱۳۱	● امام اعظم کی بارگاہ میں	۱۴۱
عناوین	صفحہ	عناوین	صفحہ
● وفات	۱۴۲	● صاحب مشکوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۵
● وفات کے بعد	۱۴۲	● مناقب	۱۵۵

● مؤطا امام محمد	۱۴۳	● وجہ تالیف	۱۵۶
● انداز ترتیب	۱۴۳	● زمانۂ تالیف	۱۵۶
● تعداد روایات	۱۴۴	● طریقۂ تالیف	۱۵۷
● خصوصیات	۱۴۴	● تعداد روایات	۱۵۷
● امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۶	● نسخہ	۱۵۷
● مناقب	۱۴۶	● خلاصۂ مضامین	۱۵۸
● تبدیلیٔ مسلک کی وجہ	۱۴۷	● دونوں میں فرق	۱۵۸
● طحاوی شریف	۱۴۹	● شرح حدیث افتراق امت	۱۶۲
● وجہ تالیف	۱۴۹	● فرقۂ ناجیہ کی تعیین	۱۷۰
● خلاصۂ مضامین	۱۵۰	● فائدۂ جلیلہ	۱۷۳
● خصوصیات	۱۵۰	● فرقۂ خوارج	۱۷۴
● صاحب مصابیح رحمہ اللہ	۱۵۲	● فرقۂ شیعہ اور روافض	۱۷۵
● مناقب	۱۵۲	● فرقۂ قدریہ اور جبریہ	۱۷۶
● وجہ تالیف	۱۵۳	● فرقۂ معتزلہ	۱۷۷
● طریقۂ تالیف	۱۵۳	● فرقۂ مرجیہ	۱۷۷
● تعداد روایات	۱۵۴	● فائدہ	۱۷۸

مُقدّمۃ

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ ،

اما بعد! تمام اہل حق عموماً اور اہل علم خصوصاً اس بات کے معترف ہیں کہ دینِ حق ودینِ اسلام کی اساس وبنیاد، قرآن حکیم واحادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور تمام ذخیرۂ حدیث قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ہے، اور علم حدیث کے بغیر، قرآن کے معانی ومقاصد کی افہام وتفہیم ناممکن ومحال، بلکہ "حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ" کے مترادف ہے، حق تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾

ظاہر ہے کہ حفاظتِ قران دو قسموں پر مشتمل ہے، ایک حفاظت الفاظ قرآنیہ، اور دوسری حفاظت معانیِ قرآنیہ، الفاظ کی حفاظت کیلئے حق تعالیٰ نے حضرات حفاظ کرام کا انتخاب فرمایا اور معانی کی حفاظت کیلئے حضرات مفسرین عظام کو منتخب فرمایا۔ پھر چونکہ مطالب قرآنیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقاریر پر موقوف ہیں اس لئے حضرات محدثین کرام کو حفظِ احادیث کی دولت سے مشرف فرمایا اور احادیث کے معانی ومطالب، حقائق ودقائق، اور اسرار ورموز کی حفاظت کیلئے، حضرات فقہاء کو اپنی نعمتِ انتخاب سے بہرہ ور فرمایا۔ غرض انہیں اقسام اربعہ پر دین کا سارا محور گھومتا ہے، تمام امت مسلمہ پر انہیں حضرات کے بڑے احسانات ہیں، کوئی باشعور انسان اس سے انکار

نہیں کرسکتا، لیکن ہمارے کچھ ایسے احباب ہیں جو اپنی عقل ودانائی اور حکمت و فلسفہ پر نازاں ہیں، انہوں نے حضرات صحابہ کرام سے لے کر تمام سلف صالحین پر تنقید وتبصرہ کیا ہے، جس سے دین متین کی تمام بنیادیں درہم برہم ہورہی ہیں، جس کو بزرگوں نے شہد نما سم قاتل سے تعبیر فرمایا ہے، اس مسئلہ میں ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام و دیگر سلف صالحین بھی انسان تھے، اور ہم بھی انسان ہیں، ہماری طرح ان میں بھی انسانی کمزوریاں موجود تھیں، لہٰذا ان کے اقوال وافعال، حرکات وسکنات اور گفتار و کردار، ہم کیسے تنقید وتبصرہ کے بغیر قبول کرسکتے ہیں۔

میں نہایت مخلصانہ وبرادرانہ انداز میں کہتا ہوں کہ کسی سے مجھے معاذ اللہ نہ تو کوئی بغض وعناد ہے اور نہ ہی عداوت ودشمنی، اس لئے صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ یہ ٹھیک ہے کہ نفسِ انسانیت و ماہیت کے لحاظ سے ہم اور وہ حضرات برابر ہیں، لیکن اوصاف وکمالات، اور اعمال وعادات کے لحاظ سے حضرات سلف صالحین سے ہماری کوئی نسبت ہوہی نہیں ہوسکتی......

چہ نسبت خاک رابعالم پاک.............. شعر ؎

چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا

ببیں تفاوت راہ از کجا تا بکجا

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق کیا عرض کروں خود

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں ان کی تعریف فرمائی ہے لہٰذا ان پر تنقید وتبصرہ کرنا گویا اللہ اور اس کے رسول کا تخطیہ کرنا ہے (نعوذ باللہ) کہ حق تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نقائص وعیوب کا علم نہ تھا، حضرات صحابہ کرامؓ کی تنقید کرنا نہیں بلکہ اللہ اور رسول سے مقابلہ کرنا ہے۔

أعاذنا الله تعالیٰ و جميع المسلمين عن هذا ،

باقی حضرات ائمہ مجتہدین ومحدثین ومفسرین اور صلحاء واتقیاء کی شان بھی بڑی عجیب وغریب ہے جسے صرف سننے سے ہی عظمت کے مارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ جس کا قدرے نمونہ آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

یاد رکھئے اگر ہم نے حضرات سلف صالحین پر تنقید وتبصرہ کیا تو جو دین سلسلہ وار چودہ سو سال سے ہم تک پہنچا ہے اس کی بنیادیں ہل جائیں گی، اس سے بجائے خدمت دین کے، دینِ متین کا بڑا نا قابل تلافی نقصان ہوگا۔ اس کا سارا بوجھ ناقدین کے سر پر پڑے گا۔ ع

حملہ بر خودمی کنی اے سادہ مرد

خلاصہ یہ کہ حضرات سلف صالحین بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ وہ عالم تھے اور ہم جاہل ہیں اور وہ علم وزہد وتقویٰ کے لحاظ

سے بہ منزلۂ امراء واغنیاء کے ہیں اور ہم بہ منزلۂ فقراء ومساکین کے ہیں، جس طرح فقراء ومساکین کو امراء واغنیاء کے دروازوں پر جائے بغیر ان کے چولھوں پر ہنڈیاں نہیں چڑھتیں، اسی طرح جب تک ہم حضرات صحابہؓ ودیگر سلف صالحین کے علمی دروازوں پر دستک نہیں دیتے اور کچھ بھیک مانگ کر نہیں لاتے اس وقت تک ہماری تعلیم وتعلم اور تحریر وتصنیف وغیرہ کی گاڑیاں نہیں چلتیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ تفسیر قرآن کریم علم حدیث پر موقوف ہے اسی لئے احقر کو باوجود اپنی قلت بضاعت کے خیال ہوا کہ ایک ایسا رسالہ لکھا جائے جس میں علم حدیث کے ضروری اصول وقواعد، کتب متداولہ کے مؤلفین کے مختصر احوال اور فوائد شتی موجود ہوں، جو شائقینِ علم حدیث کیلئے مفید ثابت ہوں۔

اصحاب علم اور ارباب نظر وفکر سے امید ہے کہ اس حقیر سراپا تقصیر کے اغلاط کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور جو غلطی یا نقص معلوم ہو اس سے مطلع فرمائیں گے تاکہ دوسری اشاعت میں اصلاح کی جاسکے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو قبول فرما کر احقر کیلئے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین

جدید ایڈیشن

مجھے خوشی ہے کہ عزیزم مولوی محمد انعام الحق سلمہ نے از راہ محبت نئی ترتیب

اوراضافے کے ساتھ اس کو زینت بخش دی اور قابل قدر مولانا ابوبکر صاحب زید مجدہ [مہتمم دارالعلوم عالی پور گجرات انڈیا] اور میرے مخلص مولانا انعام الحسن کیسرپوری [امام وخطیب مسجد نورالاسلام بلیک برن، یوکے] کی فکر وتوجہ سے دوبارہ شائع ہورہی ہے، خدائے پاک ان حضرات کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور دارین کی فلاح سے سرفراز فرمائے۔

محمد الطاف حسین

بانی وناظم وشیخ الحدیث

جامعہ ابوبکر الاسلامیہ

نارائن گنج، مکی نگر، ڈھاکہ، بنگلہ دیش

عرض مرتب

محدثین نے جہاں احادیث کی تدوین وتالیف فرمائیں وہیں اصول حدیث

اورعلوم حدیث پر بھی کتابیں مرتب فرمائیں ہیں، اصول حدیث کے بغیر حفاظت حدیث اور مقاصد حدیث تک پہنچنا ممکن نہیں، اسی طرح علوم حدیث کے بغیر فن حدیث میں مہارت وممارست اور بصیرت وگہرائی ناممکن ہے۔

عربی زبان میں اس موضوع پر بے شمار کتابیں ہیں جس میں تصنیف وتالیف کے لحاظ سے بعض حضرات کے بقول قاضی ابومحمد امام رامہرمزی کی تصنیف کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

اردو زبان میں اب تو اس موضوع پر متعدد کتابیں آچکی ہیں، آج سے ۳۸/سال پہلے علمی دنیا میں اگر آپ اس موضوع پر کوئی کتاب تلاش کریں تو بہت ہی کم کتابیں ملیں گی، اور وہ بھی بہت مختصر ...... زیر نظر کتاب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آج سے ۳۸/سال قبل شیخ طریقت، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا الطاف حسین صاحب زید مجدہ نے تالیف فرمائی، اس دور میں اس رسالہ کی کیا اہمیت محسوس کی گئی اور اکابر ومشائخ نے کس قدر شرف قبولیت سے نوازا، اور کن الفاظ میں اپنی خوشیوں کا اظہار کیا، اُس کا اندازہ اس زمانہ کے مشائخ کی تقریظات وآراء سے لگا سکتے ہیں۔ اردو زبان میں اس رسالہ کو اول نہیں تو اولین میں شامل ہونے کا شرف ضرور حاصل ہے۔

اس زمانہ کے علمی ماحول کو سامنے رکھ کر نہایت مختصر رسالہ حضرت نے لکھا تھا جو خورد سائز میں ۸۴/صفحات پر مشتمل ہے، اِس دور میں چونکہ بہت سی کتابیں اس فن میں آچکی ہیں اس لئے اس کتاب کے افادہ کو دوبالا کرنے

کیلئے بندہ نے جا بجا اضافہ کیا ہے:

۞......اضافے اور تشریحی جملوں کو حضرت کی عبارت کے ساتھ اس طرح منضم کردیا ہے کہ کوئی فرق وامتیاز باقی نہیں رہا۔

۞......احادیث کے تمام اقسام کا احاطہ، ہر ایک کی تعریف اور ضروری تشریح شامل کی گئی ہے۔

۞......صحاح ستہ اور متداول کتب حدیث کا مختصر تعارف ایک ہی نہج پر اضافے کے ساتھ کیا گیا ہے۔

۞......ان کتب کے مؤلفین کے ضروری احوال ایک ہی طرز پر طوالت سے بچتے ہوئے قلمبند کئے گئے ہیں۔

۞......اخیر میں افتراق امت اور ما انا علیہ واصحابی سے متعلق ایک قیمتی مضمون ہے جو بعینہٖ منقول ہے۔

محمد انعام الحق قاسمی
مدرس دارالعلوم عالی پور گجرات، انڈیا
حسن پور برہرا، سیتامڑھی، بہار
۲۵/ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ
یوم جمہوریہ/ ۲۰۰۶ء

تقریظ

حضرت مولانا ابوبکر صاحب کیسر پوری دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم عالی پور گجرات

اسلامی شریعت کے بنیادی مأخذ قرآن وسنت ہیں، جس طرح عمل بالقرآن کیلئے فہم قرآن ضروری ہے اسی طرح عمل بالسنہ کیلئے فہم حدیث ضروری ہے، جو حضرات محدثین نے مدون فرمائے ہیں، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عربی زبان کے بعد سب سے زیادہ جس زبان نے علوم شریعت کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا ہے، وہ ہے اردو زبان۔ آج اسلامی علوم کا سب سے بڑا ذخیرہ عربی زبان کے بعد اردو زبان میں ہے۔

اصول حدیث اور متداول کتب حدیث کے مؤلفین کے احوال پر بھی اس وقت کئی کتابیں موجود ہیں، تاہم جس زمانہ میں طالبانِ علوم نبوت کی استعداد کافی بلند ہوا کرتی تھی، اور تفصیل کے بجائے اختصار ہی کافی ہوا کرتا تھا، اس وقت مخدومنا المکرّم رہبر شریعت حضرت مولانا الطاف حسین صاحب نقشبندی زید مجدہ نے اصول حدیث کے ضروری مباحث اور مؤلفین حدیث کے مختصر احوال نہایت جامع اور بلیغ انداز میں قریباً ۳۸/سال قبل مرتب فرمایا تھا، اب موجودہ دور کے علمی ذوق کو سامنے رکھ کر ضرورت تھی کہ تسہیل واضافہ کے ساتھ شائع کیا جائے، اس کیلئے ہمارے ادارہ کے استاذ مفتی محمد انعام الحق صاحب نے پوری دلچسپی کے ساتھ نئے سرے سے ترتیب دیا اور جا بجا

اضافے کئے، اللہ پاک حضرت والا کے علمی فیضان کو قبول فرمائے اوران کا سایۂ عاطفت صحت و عافیت کے ساتھ تادیر قائم فرمائے، اور مرتب کے علم و عمل میں اخلاص نصیب فرمائے، اسی کے ساتھ اپنے عزیز مولانا انعام الحسن مقیم بلیک برن کا شکرگذار ہوں جن کی دلچسپی سے طباعت کا مرحلہ آسان ہوا۔

اللہ پاک ان دونوں ہم نام انعام کو ہر قسم کے انعامات سے سرفراز فرمائے۔ آمین

ابوبکر کیسر پوری
مہتمم دارالعلوم عالی پور،
ضلع نوساری، گجرات

کتاب ہذا ''رہبر علم حدیث'' کے بارے میں علماء کرام کی آراء

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب

مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان امیر جمعیت علمائے اسلام، ملتان

الحمدلله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى ، اما بعد!

بندہ نے رسالہ ''رہبر علم حدیث'' مصنفہ برادرم محترم مولانا الطاف حسین مدظلہ کا اجمالی طور پر اور سرسری نظر سے از اول تا آخر جائزہ لیا اس کو طلباء وعلماء کیلئے بیحد مفید پایا۔ اللہ تعالیٰ مصنف موصوف کو اس علمی گرانمایہ محنت پر جزاء خیر عنایت فرمائیں اوران کو اخلاص کے ساتھ دینی خدمت کی توفیق بخشیں۔
آمین

نیازمند
مفتی محمد عبداللہ عفی اللہ عنہ
مدرسۂ خیر المدارس ملتان
۱۶؍شوال ۱۳۸۸ھ

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب

مہتمم مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان پاکستان امیر ڈیرہ

اسماعیل خان جمعیت علمائے اسلام

حامداً و مصلیاً و مسلماً ، اما بعد!

احقر رسالہ ''رہبر علم حدیث'' مؤلفہ حضرت مولانا الطاف حسین صاحب کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوا، میری رائے ہے کہ اس قسم کے رسائل کا مطالعہ مشکوٰۃ شریف پڑھنے والے طلباء پر لازم قرار دیا جائے اور ان سے باقاعدہ اس کا امتحان لیا جائے، ان عنوانات پر معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ یقیناً دشمنان حدیث کے دفاع میں اپنے آپ زیادہ جری اور دلیر ہوجائیں گے۔

مؤلف محترم نے نہ صرف یہ کہ طلباء مشکوٰۃ شریف پر احسان فرمایا بلکہ مشکوٰۃ شریف پڑھانے والے اساتذۂ کرام کا کام بھی بڑی حدتک سہل کردیا، **فجزاهم الله عنا و عن سائر طلبة الحديث** . آمین

[حضرت مولانا] عبدالکریم عفی عنہ

مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان پاکستان

حال وارد جہانگیر آباد (ڈھاکہ)

۱۳رشوال ۱۳۸۸ھ، سید الایام

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب

شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان، ناظم عمومی جمعیت علمائے اسلام پاکستان

الحمدلله وحده والصلوة والسلام على من لانبي بعده ،

اما بعد! احقر نے ''رہبر علم حدیث'' کا جستہ جستہ مطالعہ کیا، مصطلحات حدیث کے بیان میں بہترین خدمت ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور فاضل مؤلف کو علوم دینیہ کی مزید خدمت کی توفیق بخشیں۔

العبد الاحقر الافقر

محمود عفی عنہ

الخادم للعلوم بقاسم العلوم ملتان

حال وارد ڈھاکہ

۱۴رشوال ۱۳۸۸ھ

حضرت مولانا قاری محمد عبدالسمیع صاحب

مہتمم مدرسہ جامعہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا، ناظم اعلیٰ سرگودھا ڈویژن

جمعیت علمائے اسلام

الحمدلله وحده والصلوة والسلام على من لانبي بعده ،

اما بعد! احقر نے برادر عزیز مولانا محمد الطاف حسین صاحب کا رسالہ ’’رہبر علم حدیث‘‘ بعض مقامات سے دیکھا، جن مضامین پر یہ رسالہ مشتمل ہے بلاشبہ وہ ایک علمی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ازبس ضروری ہے، مولانا موصوف نے مکمل محنت کے ساتھ اس خالص علمی مباحث پر تحریر فرمایا ہے، احقر کے نزدیک طالبان علم حدیث شریف کیلئے یقیناً یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے، حق تعالیٰ شانہ اسے قبول فرمائے اور شائقین علوم نبویہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ کیلئے مفید بنائے۔ آمین

احقر عبدالسمیع عفی عنہ
مہتمم مدرسہ جامعہ عربیہ سراج العلوم
سرگودھا پاکستان
حال نزیل ڈھاکہ
۱۳؍شوال ۱۳۸۸ھ
۳؍جنوری ۱۹۶۹ء بروز جمعہ

حضرت مولانا محمد عبدالخالق صاحب

شیخ الحدیث مدرسہ اشرف العلوم بڑا کٹرہ ڈھاکہ، بنگلہ دیش

الحمدلله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى ، اما بعد!

جملہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ دین اسلام اصول اربعہ پر مبنی ہے، قرآن وحدیث، اجماع وقیاس۔ قرآن وحدیث کی عظمت وشان اگرچہ ضبط تحریر وتقریر میں سمانہیں سکتی، لیکن ان کی تفسیر وتشریح مع بیانِ غوامضِ اسرار ولطائف دقت شعار دینی خدمت کا اہم ترین فریضہ تھا۔ اسی نظریہ کے تحت مشاہیر امت عرب وعجم خصوصاً عراق وشام اور روم وفارس وبلاد مغرب کے لاتعداد علماءِ کبار وفضلاءِ ولایت شعار نے اس خدمت کیلئے اپنی جان مال وعمریں تا دمِ آخر وقف کر دیں، انہیں قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ وہ دین دنیا میں شاد کام ہوئے ان کے ناموں کی صدائیں تمام دنیا کی فضا میں گونج رہی ہیں، ان اسمائے گرامی کی عظمت وہیبت سے کتابوں کے صفحات واوراق منشور شاہنشاہی سے بھی کہیں زیادہ بیش بہا نظر آتے ہیں۔

اسی اہم فریضۂ اسلام کی خدمت میں ضیاء الفرقدین مولانا محمد الطاف حسین صاحب نے ایک رسالہ مسمّٰی ’’رہبر علم حدیث‘‘ تصنیف فرمایا جس میں فوائد ولطائف فن حدیث کے وہ گنجینۂ جواہر ودیعت رکھے گئے ہیں جو بڑی بڑی ضخیم کتابوں اور محققین اعلام کے سینوں سے ماخوذ ہیں، اہل ذوق کیلئے اس کا مطالعہ ہی اس کے محاسن وفضائل کیلئے کافی حجت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس

کتاب کو مقبول عام فرمائیں اور مؤلف کو دین کی مزید خدمت کی توفیق بخشیں۔آمین

خاکسار

محمد عبدالخالق عفی عنہ

خادم مدرسہ اشرف العلوم

بڑاکٹرہ ڈھاکہ

۱۸؍جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ

حضرت مولانا محمد تفضّل حسین صاحب

شیخ التفسیر مدرسہ اشرف العلوم بڑاکٹرہ ڈھاکہ، بنگلہ دیش

میں نے اس رسالہ کا برجستہ چند مقامات کا مطالعہ کیا جس سے مجھے بڑی مسرت حاصل ہوئی کیونکہ میں نے اس کو باوجود مختصر وموجز ہونے کے فوائد فن حدیث کا ایک گراں قدر ذخیرہ پایا اور چند مسلّم ومستند اجلۂ علماء کے افادات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے کہ جس کا مدت تک کاوش وعرق ریزی اور ورق گردانیوں کے بعد بھی یکجائی طور پر ہاتھ آنا مشکل ہے۔میری رائے ہے کہ یہ رسالہ مشتغلین فن حدیث کیلئے نہایت نافع وبصیرت افزا ہوگا۔

اللھم اجعلہ نافعاً مبارکاً ، انتھی

محمد تفضّل حسین عفی عنہ

خادم مدرسۂ اشرف العلوم ڈھاکہ

وسابق ممتحن مدرسہ ایجوکیشن بورڈ

بنگلہ دیش

۲۵؍شوال ۱۳۸۸ھ

حضرت مولانا محمد عبدالمنان صاحب

پرنسپل لکھی پور دارالعلوم مدرسہ نوا کھالی، بنگلہ دیش

نحمد و نصلی علی رسوله الکریم ،

اما بعد! اسلام کی نعمت ہمیں دو ہی ذرائع سے پہنچی ہے، ایک کلام اللہ دوسرے احادیث نبوی۔ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی تبلیغ وتفہیم اور تعلیم کا واسطہ بنانے کے علاوہ ان کی علمی قیادت اور رہنمائی کے منصب پر مامور کیا ہے، تاکہ معاشرہ کا پورا پورا تزکیہ ہو اور انسانی زندگی کی صحیح راہ سب کو معلوم ہو جائے۔ برادر محترم مولانا الطاف حسین صاحب ''رہبر علم حدیث'' نامی اس مختصر رسالہ میں ضرورت حدیث، اصول حدیث، حالات رواۃ اور علمی نکات کے جو مفید مضامین کو یکجا کر دیا ہے وہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ جامع اور مستند بھی ہیں۔ انشاء اللہ یہ رسالہ متعلمین و معلمین دونوں طبقے کیلئے مفید ثابت ہوگا، دعا ہے کہ خدائے عزوجل برادر محترم کو ایسے دینی مشغلے اور علمی خدمات کی زائد توفیق عنایت کرے۔ آمین

محمد عبد المنان

خادم لکھی پور مدرسۂ عالیہ نوا کھالی

حضرت مولانا محمد حفیظ اللہ صاحب

صدر مدرسین ٹومچر اسلامیہ سینئر مدرسہ نوا کھالی، بنگلہ دیش

نحمد و نصلی علی رسوله الکریم ،

اما بعد!

احقر نے عزیز محترم مولانا الطاف حسین صاحب کا رسالہ ''رہبر علم حدیث'' کو اکثر مقامات سے دیکھا، ماشاء اللہ اپنے موضوع پر یہ رسالہ بہت ضروری ومفید مضامین پر مشتمل ہے، طالبین علوم نبوت کیلئے یہ بصیرت افروز ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز

بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ اس کو مقبول عام فرمائیں اور مؤلف سلمہ تعالیٰ کو بیشتر از بیشتر خدمت حدیث کا موقع عنایت فرمائیں۔

آمین بجاہ سید المرسلین

بندہ محمد حفیظ اللہ

خادم ٹومچر اسلامیہ سینئر نوا کھالی

۱۵ر رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

طلب علم کے آداب

علم شریعت سے وابستہ خوش نصیب افراد کیلئے ہمہ دم آداب علم کا لحاظ و پاس رکھنا نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر علوم نبوت سے فیضیاب ہونا مشکل اور انوار نبوت سے بہرہ ور ہونا دشوار ہوتا ہے، اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے ادب سیکھو پھر علم سیکھو۔ حضرت مخلد بن حسینؒ کہا کرتے تھے کہ ہم کثرت حدیث کی بہ نسبت ادب کے زیادہ محتاج ہیں۔ اس لئے طالبان علوم نبوت پر لازم ہے کہ اس علم کے آداب سے واقفیت حاصل کریں اور اپنے آپ کو آراستہ وپیراستہ کریں۔ ذیل میں چند آداب ذکر کئے جاتے ہیں:

☆......[۱] تصحیح نیت اور اخلاص :

بغیر حسن نیت اور اخلاص ساری محنت بے کار اور رائیگاں ہے، طالب علم کو طلب علم سے حق کی رضا مقصود ہونی چاہئے، ملازمت، عزت، منصب وشہرت اور مال وجاہ کی لالچ ہرگز نہ ہونی چاہئے۔

☆......[۲] وضوء و نظافت :

طالب علم اور خاص کر طالب حدیث کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے، بالخصوص حدیث شریف تو بلاوضو پڑھنے کی ہمت ہی نہ ہونی چاہئے، کیونکہ وضو ایک نور

ہے اور علم بھی ایک نور ہے تو وضو کے اہتمام سے علم میں نورانیت اور جلا پیدا ہوگا۔

☆......[۳] عمل بالاحادیث :

سنت پر عمل کی نیت سے احادیث پڑھئے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں مشہور ہے وہ فرماتے تھے کہ کوئی بھی حدیث (معمول بہ کے لائق ہو) ایسی نہیں گذری جس پر میں نے عمل نہ کیا ہو، حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب یہ حدیث گذری کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا، حجام کو ایک درہم عنایت فرمایا تو پہلے میں نے یہ عمل کیا اور حجام کو ایک درہم دیا، دیکھئے عمل بالسنۃ نے ان کے نام کو کس قدر روشن کردیا۔

☆......[۴] اخلاق حمیدہ :

اہل علم اور طلباء کو اخلاق حمیدہ کا پیکر ہونا چاہئے کیونکہ یہ علم خیر العلوم ہے اور اخلاق حمیدہ سے متصف انسان خیر الناس کہلاتا ہے اور اس سے خیر وجود میں آتی ہے۔

☆......[۵] احترام :

ادب واحترام کے بغیر علم کے نتائج وثمرات عام طور پر ظاہر نہیں ہوتے، طلبہ کو خاص کر تین چیزوں کا احترام کرنا چاہئے:

❁......علم ❁......اسباب علم ❁......استاد

احترام علم یہ ہے کہ دل میں اس علم کی اہمیت وفضیلت کا استحضار واحساس

رہے، اسباب علم کے احترام میں کتاب اور درسگاہ کا احترام بطور خاص شامل ہے اور رہا استاد کا احترام تو وہ لازم ہے۔

☆......[۶] تعظیم اشخاص :

بڑے کی عظمت کا خیال دل میں ہو اور زبان سے اس کا اظہار ہو، مثلاً جب اللہ پاک کا نام لینا ہو تو تعظیمی کلمہ کہنا چاہئے جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ، جل جلالہ وغیرہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آئے تو صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام کا نام آئے تو رضوان اللہ علیہم اجمعین، بزرگوں کے نام کے ساتھ رحمہم اللہ اور اگر زندہ ہو تو مدظلہم وغیرہ کہنا چاہئے۔

☆......[۷] تکرار و استحضار :

تکرار کے بغیر علم میں پختگی پیدا نہیں ہوتی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مذاکرة العلم ساعة خير من احياء ليلة ، ایک ساعت علم کا مذاکرہ کرنا ایک رات بیدار رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔

☆......[۸] محنت و مشقت :

اس علم کے حصول میں سستی کو ذرّہ برابر موقع نہ دیں، محنت کے ساتھ کامیابی کی توقع حق تعالیٰ پر ہو اپنی محنت پر بھروسہ نہ ہو، محدث یحییٰ بن کثیرؒ فرماتے ہیں:

لا يستطاع العلم براحة الجسم ، جسمانی راحت کے ساتھ علم کو

حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

یہ شعر بھی مشہور ہے:

من طلب العلى سهر الليالى   بقدر الكد تكتسب المعالى

جس نے بلندی کو چاہا تو اس نے شب بیداری کی، مشقت کے بقدر عظمت و بلندی حاصل کی جاتی ہے۔

☆......[۹] حیاء و شرمندگی :

تحصیل علم اور علمی باتوں کے معلوم کرنے میں حیاء و شرمندگی اور کبر و پندار کو حائل نہ ہونے دیں، حضرت مجاہدؒ کا قول ہے:

لا ينال العلم مستحيٍ و مستكبر ، حیا اور تکبر کرنے والا علم حاصل نہیں کر سکتا۔

☆......[۱۰] عدم بخالت :

یوں تو بخل ہر فن اور ہر شعبۂ زندگی میں مذموم ہے علم کے باب میں اس کی مذمت اور بڑھ جاتی ہے، لہٰذا دوسروں کو علمی فائدہ پہنچانے میں بخل سے کام نہ لینا چاہئے، بخیل کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں جس نے بخل کیا وہ تین باتوں میں مبتلا ہوگا:

۞......یا تو مر جائے گا اور اس کا علم اس کے ساتھ چلا جائے گا۔

۞......یا اپنا علم بھول جائے گا۔

۞......یا امراء کا تابع اور خوشامدی بن جائے گا۔

☆......[۱۱] **اہتمام دعاء :**

دعاء مغز عبادت ہے اور علم یہ اہم عبادت ہے لہٰذا اس اہم عبادت میں محنت کے ساتھ بکثرت دعا کا اہتمام کرنا چاہئے، موجودہ زمانہ میں اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے، اس کی اہمیت ہی طلبہ کے دل سے نکل چکی ہے جبکہ محنت کے باوجود سب کچھ ملتا اسی دربار سے ہے۔

☆......[۱۲] **اداء شکر :**

خدائے پاک نے لاکھوں انسانوں میں سے چن کر آپ کو اپنے علم کیلئے منتخب فرمایا اس شرف سے بڑھ کر اور کیا شرافت ہوسکتی ہے کہ آپ اس علم کیلئے من جانب اللہ چنیدہ ہیں، لہٰذا اس پر ہر بن مو سے شکر گذار ہونا چاہئے بلکہ روزانہ دو رکعت بطور شکرانہ ادا کرنا چاہئے۔

رہبر علم حدیث

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث کی تعریف

حدیث کے معنی علامہ جوہریؒ کے مطابق کلام کے ہیں محدثین نے حدیث کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ”اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ واحوالہ“ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور آپ کے احوال (اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاریہ) کو حدیث کہتے ہیں۔

علامہ سخاویؒ نے فتح المغیث میں یہ تعریف کی ہے:

”ما أضيف الى النبى صلى الله عليه وسلم قولاً أو فعلاً أو صفةً حتى الحركات و السكنات فى اليقظة و المنام“

[فتح المغیث / ۱۲]

بعض حضرات نے مندرجہ ذیل الفاظ میں حدیث کی تعریف کی ہے حالانکہ یہ حدیث کی تعریف نہیں بلکہ علم حدیث کی تعریف ہے جبکہ حدیث اور علم حدیث کے درمیان فرق ہے:

” هو علم يعرف به أقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم وافعاله وتقريراته “ وہ علم جس کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

اقوال وافعال اور آپ کی تقریر معلوم ہو۔

تقریر سے مراد یہ ہے کہ کسی امتی نے آپ کے سامنے کوئی کام کیا، یا کوئی بات کہی اور آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، نہ اس وقت نہ بعد میں، صفت سے مراد آپ کے احوال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ (جیسے آپ کے حلیے، قد، چہرہ وغیرہ سے متعلق روایات) ہیں۔

قول صحابی کو حدیث کہہ سکتے ہیں؟

متقدمین محدثین اور احناف کے نزدیک حدیث عام ہے اور اس کا اطلاق صحابہ اور تابعین کے اقوال وافعال پر بھی ہوتا ہے، سید شریف جرجانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں اسی طرح صحابی اور تابعی کے قول وفعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ (ظفر الامانی ر ۴)

تاہم متأخرین، صحابہ وتابعین کے اقوال وغیرہ پر حدیث کا اطلاق نہیں کرتے، صاحب نورالانوار فرماتے ہیں: "**الحدیث یطلق علی قول النبی خاصةً**" یہی وجہ ہے کہ متأخرین اصولیین بھی حدیث کی تعریف میں قول صحابی وتابعی کو ذکر نہیں کرتے اسلئے انسب یہی ہے کہ حدیث کا اطلاق قول صحابی وتابعی پر نہ ہو۔ اور یوں بھی عرف میں حدیث کا لفظ سنتے ہی نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وغیرہ کی طرف ہی ذہن منتقل ہوتا ہے۔

موضوع

" **ذات النبی صلی اللہ علیه وسلم من حیث انه رسول لا من حیث انه بشر و جسم** ."

غرض

[۱] "**هو الفوز بسعادة الدارین بعد العمل علی مرضیاته و الکف عن غیر مرضیاته** ." تاہم یہ تمام علوم شرعیہ کی قدرِ مشترک غرض ہے۔

[۲] دوسری غرض، فہم قرآن اور عمل بالقرآن ہے۔

[۳] **معرفة کیفیة الاقتداء بالنبی صلی اللہ علیه وسلم** .

غایت

" **هی معرفة الأحکام الشرعیة و دلائلها و تفسیر القرآن والعصمة عن الخطاء فی نقل الروایات** ."

یعنی احکام شرعیہ کا جاننا[خواہ من قبیل احکام فرعیہ ہوں، جن کو فقہ کہا جاتا

ہے یا عقائد کے درجہ میں ہوں یا اخلاق کے درجہ میں ہوں۔] ان کے دلائل اور مراد قرآن کا جاننا، اور نقلِ روایات میں غلطی سے محفوظ رہنا یہ اس علم کی غایت ہے۔

وجہ تسمیہ

حدیث حدوث سے ماخوذ ہے جس کے معنی نئی چیز پیدا ہونے کے ہیں۔

اب حدیث کو حدیث اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن مجید قدیم ہے اور اس کے مقابلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقاریر جو کہ حادث ہیں، اس لئے قدیم کے مقابلہ میں اس کو حدیث کہا گیا ہے۔

یا یوں کہئے کہ حق تعالیٰ نے سورۂ والضحیٰ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر تین احسان جتلا کر تین فرائض عائد فرمائے ہیں، احسانات ثلاثہ یہ ہیں:

[۱] اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْماً فَاٰوٰی	کیا اس نے (اللہ تعالیٰ نے) آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانہ دیا۔
[۲] وَوَجَدَکَ ضَآلّاً فَھَدٰی	اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلا دیا۔
[۳] وَوَجَدَکَ عَآئِلاً فَاَغْنٰی	اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا۔

ان تینوں احسانات کو جتلانے کے بعد تین فرائض لف ونشر غیر مرتب کے طور پر عائد فرماتے ہیں، وہ فرائض ثلاثہ یہ ہیں:

[۱] وَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ	آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ (یہ الم یجدک کے بالمقابل ہے۔)
[۲] وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ	اور سائل کو مت جھڑکئے۔ (یہ ووجدک عائلاً کے بالمقابل ہے)
[۳] وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ	اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔ (یہ ووجدک ضالاً کے بالمقابل ہے)

یہاں نعمت سے مراد ہدایت ہے، مطلب یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو جو ہدایت عطا فرمائی ہے اس کو دوسروں تک پہنچایئے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل کے ذریعہ اس قرآنی حکم کی تعمیل کی اس لئے آپ کے اقوال وافعال وتقاریر کو حدیث کہا جانے لگا۔

علامہ تقی عثمانی زید مجدہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کیلئے لفظ حدیث کو مخصوص کر لینا استعارۃ العام للخاص کے قبیل سے ہے۔ [درس ترمذی ۱/ ۱۹]

●......●......☆☆☆☆......●......●

شرافت علم حدیث

کسی فن کی شرافت یا تو اس فن کے موضوع کے اعتبار سے ہوتی ہے یا غرض و غایت کے لحاظ سے یا پھر مسائل کے اعتبار سے ہوتی ہے یا شدت احتیاج کے اعتبار سے، فن حدیث کی شرافت ان تمام امور کے لحاظ سے ثابت ہے، کیونکہ علم حدیث کا موضوع ذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حیث النبی ہے اور ذات نبوی کا افضل واشرف ہونا اظہر من الشّمس ہے۔

اور اس فن کی ایک غرض فہم قرآن اور عمل بالقرآن ہے، ان دونوں کی اہمیت وضرورت بالکل واضح وبدیہی ہے۔

اور غایت کے لحاظ سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ علم حدیث کی غایت احکام شرعیہ کا جاننا ہے، اور احکام شرعیہ کے جانے بغیر نہ تو انسان عمل کرسکتا ہے اور نہ ہی نجات پاسکتا ہے، اور شدت احتیاج کے لحاظ سے بھی اس کی شرافت معلوم ہوتی ہے، بایں طور کہ اس کے بغیر کسی بھی عمل حتیٰ کہ فرائض اسلام کی ادائیگی کا طریقہ معلوم نہیں ہوسکتا، غرض علم حدیث کی شرافت من کل الوجوہ ثابت ہے۔

فضیلت علم حدیث

علم حدیث کی فضیلت کئی طرح ثابت ہے:

[۱] اول یہ کہ علوم دینیہ جو دس ہیں، علم حدیث ان تمام کا منبع ہے، وہ علوم عشرہ یہ ہیں:

۱۔علم تفسیر ۲۔علم حدیث ۳۔فقہ ۴۔اصول فقہ ۵۔عقائد ۶۔علم اخلاق ۷۔تجوید ۸۔قرأت ۹۔علم رسم الخط ۱۰۔علم الابتداء والوقف

یہ تمام علوم علم حدیث کی شاخیں اور شعبے ہیں، لہٰذا جب تمام علوم کا مدار علم حدیث پر ہوا اور علوم دینیہ کا باقی رکھنا بھی ضروری ہے تو بقاء کیلئے علم حدیث کا پڑھنا اور پڑھانا بھی ضروری ہوا۔ علوم دینیہ کی بقاء اس لئے ضروری ہے کہ دین کی بقاء، علوم دینیہ پر موقوف ہے، اور بقاء دین فی حد ذاتہ بھی ضروری ہے، اور بقاء عالم کیلئے بھی ضروری ہے، کیونکہ دنیا اس وقت تک باقی رہے گی جب تک دین باقی رہے گا، جب دین ختم ہوجائیگا تو دنیا بھی ختم ہوجائیگی۔ غرض تمام علوم دینیہ کے مدار ہونے کی بناء پر اس کا افضل ہونا واضح ہے۔●

[۲] اس علم کی فضیلت بہت سی احادیث سے بھی ثابت ہے:

● اسی بنا پر جمہور محدثین و متکلمین کے نزدیک یہ علم، علم تفسیر سے بھی افضل ہے، کیونکہ اس کا موضوع، کلام لفظی ہے، جوکہ حادث ہے، اور علم حدیث کا موضوع، ذات رسالت ہے جوکہ تمام مخلوقات حتی کہ عرش وکرسی اور بیت اللہ سے بھی افضل ہے، اور شرافتِ علم شرافتِ موضوع سے ثابت ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث یاد کرنے والوں کیلئے دعا فرمائی ہے جو سعادت عظمیٰ ہے:

نضّر اللّٰہُ عبداً سمِع مَقالَتِی فَحفِظَھا و وَعَاھا فرُبَّ حاملِ فقهٍ ا لی مَن هو أفْقَه مِنه (مشکوٰۃ/ ۳۵)

اللہ پاک تروتازہ رکھے ایسے بندے کو جس نے میری بات سنی اس کو یاد کیا محفوظ رکھا اور اس کو دوسروں تک پہنچایا، کیونکہ بعض بہت سے لوگ جن کو پہنچایا جاتا ہے وہ اس سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے اور سمجھنے والے ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں:

اللهم ارُحَم خُلَفائی قلنا یا رسول الله من خلفاءُک قال : الذین یأتون مِن بَعدی یَرُوُون أحادِیثی و یُعلِّمونها الناس .

(مجمع الزوائد ۱/ ۱۲۶)

اے اللہ! ہمارے خلفاء پر رحم فرما، ہم لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے خلیفہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث کو بیان کریں گے اور لوگوں کو سکھلائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی خدمت کرنے والے آپ کے علمی خلیفہ ہیں کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد تبلیغ دین ہے اور حدیث کی تعلیم ونشر واشاعت

تبلیغ کا ہی ایک شعبہ ہے۔

[۳] درود شریف پڑھنے کی فضیلت بکثرت آئی ہے اور ظاہر ہے کہ جس قدر درود شریف پڑھنے کا موقع علم حدیث حاصل کرنے میں ملتا ہے اتنا کسی اور علم میں نہیں ملتا۔

ضرورت حدیث

[۱] اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ﴾ تمہارے اوپر ظاہری اور باطنی نعمتوں کو بہادیا۔

قانون ودستور یہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ کسی پر کوئی احسان کرتا ہے تو اس منعم علیہ کے ذمہ بادشاہ کا شکریہ واجب ہوجاتا ہے، اسی طرح جب حق تعالیٰ نے نوع بشر کو ظاہری و باطنی نعمت سے سرفراز فرمایا تو ان کے ذمہ بھی حق تعالیٰ کا شکریہ ضروری اور لابدی ہوا۔ اور شکر ادا کرنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو زبان سے، کبھی دل سے اور کبھی عمل سے، اور ظاہر ہے کہ کما حقہ شکر ادا کرنے کا طریقہ حق تعالیٰ ہی کے بتلائے ہوئے ان اصولوں سے معلوم کیا جاسکتا ہے جن کی تشریح بغیر احادیث نبوی کے ممکن نہیں، کیونکہ آپ کے اقوال

وافعال اور تقریر سے ان اجمالی اصول کا سمجھنا ممکن ہوسکتا ہے اس کے بغیر محال وناممکن ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوگیا کہ علم حدیث کی شدید ضرورت ہے۔

[۲] احکام شرعیہ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، عمرہ، تیمّم وغیرہ کی عملی صورت معلوم کرنے کیلئے اسوۂ رسول کی ضرورت ہے، احادیث رسول ہمیں احکام شرعیہ کی عملی صورت بتلاتی ہے اس سے بھی حدیث کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

[۳] قرآن میں جو اصطلاحی الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کے شرعی معانی کی تعیین وتفہیم بغیر احادیث کے ممکن نہیں۔ اور احادیث کے بغیر ان کا سمجھنا محال ہے۔ لہٰذا فہم قرآن کا دارومدار حدیث ٹھہری، اس سے علم حدیث کی ضرورت ثابت ہوئی۔

حدیث تفسیر قرآن ہے

دین متین کی بنیاد قرآن وحدیث ہے نفس حجیت میں دونوں برابر ہیں، لیکن اتنا فرق ہے کہ قرآن مجید ہم تک تواتر طبقہ سے پہنچا ہے اور حدیث شریف طرق مختلفہ سے پہنچی ہے جس سے اقسام حدیث متعدد ہوگئے۔ خبر متواتر قرآن مجید ہی کی طرح ہوتی ہے صرف تلاوت فی الصلوٰۃ کا فرق ہے۔ اور خبر مشہور، خبر متواتر کے قریب قریب ہوتی ہے اور خبر واحد، ثبوت میں، خبر متواتر ومشہور کی طرح نہیں ہے، اسلئے خبر واحد قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے، البتہ اس کے

مقتضا پر عمل کرنا مثل قرآن کے واجب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کلام معجز ہے، اس کا ایک ایک لفظ بیشمار معانی کا محتمل ہے، کسی معنی کی تعیین کرنا انسانی بس سے باہر ہے، اسلئے درمیان میں ایک ایسی ذات کا ہونا ضروری ہے جو خود تو محدود ومتناہی صفات سے متصف ہو لیکن غیر محدود صفات سے متصف ذات سے اس کا تعلق ہو، تاکہ اس تعلق کی بنا پر انسانوں کو وہ کتاب سمجھا سکے، وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قرآن پاک کی تفسیر ہے۔ نیز ہر کلام کسی نہ کسی خاص کیفیت وانداز میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اس کلام کو وہی آدمی سمجھا سکتا ہے جو اس کیفیت سے آشنا ہو، جیسا کہ فلسفی کا کلام وہی آدمی سمجھ سکتا ہے جس کو فلسفہ سے لگاؤ اور تعلق ہو، اور شاعر کا کلام وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو شعر وشاعری کا ذوق ہو۔ اسی طرح رب تعالیٰ کا کلام وہی ذات زیادہ سمجھ سکتی ہے جو رب تعالیٰ سے آشنا ہو اور حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ تعلق اور لگاؤ ہو۔ اور جب ہم ان احادیث کو دیکھتے ہیں جن میں آیات قرآنیہ کی تفسیر کی گئی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی آیت کی تفسیر میں غور وفکر اور سوچ وتدبر کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ آیات کریمہ اترتی تھی اور آپ بالبداہت تفسیر فرماتے جاتے تھے، معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے تفسیر بتائی جاتی تھی۔

●......●......☆☆☆☆......●......●

حفاظت دین

حق تعالیٰ نے دنیا میں بہت سے انبیاء بھیجے اور کتب وصحف نازل فرمائے مگر اہل ہوس انسانوں نے ان صحیفوں اور کتابوں میں تحریف وتبدیل کردی، لیکن جب قرآن کو نازل کرنے کا موقع آیا اور حکمت خداوندی کا یہ تقاضا ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت بند کردیا جائے تو حق تعالیٰ نے خود اپنی کتاب قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لے لیا، اور اعلان فرمایا ﴿ **اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ** ﴾ چونکہ یہ عادۃ اللہ ہے کہ حق تعالیٰ اسباب کے ذریعہ کام لیتا ہے اس لئے دین وشریعت کی حفاظت کے بھی اسباب پیدا فرمائے، اسباب حفاظت دوطرح کے ہیں:

[۱] قوی شخصیت، جو دین وکتاب کی حفاظت کرنے والی ہو۔

[۲] خود دین کا قوی ہونا کہ اس کو کوئی بدل نہ سکے۔

قوی شخصیت کی صورت یہ ہوئی کہ اس امت میں حق تعالیٰ نے ہر صدی میں مجدّدین بھیجنے کا سلسلہ جاری فرمایا، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

ان اللّٰہَ یَبعثُ لھذا الدین علی رأسِ کلِّ مأۃِ سنۃٍ مَن یُّجدّدُ لھا دِینَھا، اللہ تعالیٰ اس دین کی حفاظت کیلئے ہر صدی کے سرے پر ایسا شخص بھیجتا ہے جو امت کے سامنے دین کو تازہ کردے گا۔ [مشکوۃ/۶۳]

یعنی دین متین کو دلائل کے ساتھ شرک و بدعت رسم و رواج اور باطل چیزوں سے ممتاز کردیں گے، البتہ یہ احتمال تھا کہ دو مجددوں کے درمیانی زمانہ میں دین میں تحریف ہو جائے اس کیلئے ہر زمانہ میں ایک جماعت علماء حقہ کی مقرر فرمائی تا کہ درمیان میں تحریف کا موقع نہ رہے، حدیث شریف میں ہے:

یَحمِل ھذا العلمَ من کلِ خلفٍ عدولہ ینفون عنہ تحریفَ الغالین و انتحالَ المُبطلین و تأویلَ الجاھلین ، (بیہقی، مشکوۃ/۳۶)

آئندہ آنیوالے ہر گروہ میں سے اچھے اور نیک لوگ اس علم کو حاصل کریں گے، اور پھر اس علم کے ذریعہ غلو کرنے والوں کی تحریف کو مٹادیں گے باطل طریقہ والوں کی غلطی کو دور کریں گے اور جاہلوں کی تاویل کی تردید کریں گے۔

بلکہ مزید حفاظت کے طور پر اس بات کا وعدہ کیا گیا کہ ہر ساعت میں ایک جماعت حفاظت کرنے والی موجود رہے گی، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

لایزالُ مِن اُمتی اُمۃٌ قائمۃ بأمر اللہ لایضُرُّھم مَن خَذلَھم ولا مَن خَالَفھم حتی یأتیَ أمرُ اللّٰہِ وھم علی ذلک ، میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی نہ تو ان کو کوئی رسوا کرنے والا اور نہ مخالفت کرنے والا کچھ نقصان پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ لوگ اسی حال پر رہیں گے۔ [مشکوۃ/۵۸۳]

حق تعالیٰ نے فقط دین کے ظاہری ارکان وعقائد اور مسائل کی حفاظت پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دین کی روحانیت کی بھی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

أبشروا أبشروا انما مثل الغيث لايدرى آخره خير أم أوله،

اس حدیث میں لفظ خیر کا ہے جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ دین کو ایسا قوی بنایا جائے کہ کوئی اس کو بدل نہ سکے، رب ذوالجلال نے اس دین کو اس قدر مستحکم اور مضبوط بنایا ہے کہ قیامت تک اس کو نہ کوئی مٹا سکتا ہے اور نہ ہی تحریف کرکے اس کو مسخ کرسکتا ہے، چودہ سو سال کا زمانہ گذر چکا ہے اس درمیان کتنے سورما آئے مگر درماندہ اور تھک ہار کر شرمندہ ہوگئے مگر دین متین علیٰ حالہٖ باقی ہے۔

☆☆☆

حفاظت حدیث کے اسباب

جس دین کی حفاظت کی ذمہ داری ذات خدا نے لی ہے، اس دین کے بنیادی ماٰخذ دو ہیں، قرآن و حدیث ۔ جس طرح قرآن کی حفاظت کے اسباب خدائے پاک نے مہیا کئے اسی طرح حفاظت حدیث کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔ چار اسباب اساسی اور بنیادی ہیں:

[۱] بذریعہ حفظ: عربوں کو بطور خاص قوت حافظہ کی دولت سے نوازا گیا، حضرات صحابہؓ نے غیر معمولی یادداشت کو احادیث کے یاد کرنے میں استعمال کیا جس کی حیرت انگیز مثالیں کتابوں میں موجود ہیں۔

[۲] حفاظت حدیث کیلئے دوسرا طریقہ باہمی مذاکرہ: حضرات صحابہؓ کو جب کسی حدیث کا علم ہوتا تو ایک دوسرے کو پہنچاتے، آپس میں مذاکرہ کرتے، اس جذبہ کو اس ترغیبی روایت سے مزید اجاگر کیا گیا۔

تَدارسُ العلمِ ساعةً من الليلِ خيرٌ من ا حيائهاات کے وقت مذاکرۂ علم کا مختصر سا وقت بھی پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔

[جامع بیان العلم، مشکوٰۃ / ۵۲]

[۳] تیسرا طریقہ تعامل تھا، یعنی یہ جذبہ ہر صحابی کے دل میں کارفرما تھا کہ وہ ہر سنت پر عمل کریں، اس سے بھی الفاظ و معانی محفوظ رہتے ہیں۔

[۴] حفاظت حدیث کا اہم ترین ذریعہ کتابت حدیث تھا، بیشمار صحابہ نے احادیث کو تحریری طور پر محفوظ کیا۔

●……●……☆☆☆☆……●……●

کتابت حدیث

ضبط حدیث کی دوصورتیں ہیں:

(۱) ضبط بالصدر ، (۲) ضبط بالکتابۃ ۔

دور نبوی اور پہلی صدی میں حفاظت حدیث کا بڑا ذریعہ ضبط بالصدر یعنی یاد کرنا تھا گو کہ ضبط بالکتابۃ کا سلسلہ بھی رائج اور جاری تھا مگر عام طور پر حفاظت حدیث کا قوی ترین اور کامیاب ترین طریقہ حفظ کو اختیار کیا گیا۔ بلکہ صحابہ اور تابعین کے بالکل ابتدائی دور میں کچھ اختلاف بھی رہا، بعض کتابت حدیث کو جائز قرار دیتے، اور بعض کراہت وممانعت کے قائل تھے، جو حضرات ممانعت وکراہت کے قائل تھے ان کا مستدل مسلم شریف کی وہ روایت ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

لاتکتُبوا عنی غیرَ القرآنِ و من کتب عنی غیرَ القرآن فَلْیَمْحُه . قرآن کے علاوہ میری جانب سے مت لکھا کرو، اگر کسی نے لکھا ہے تو اس کو مٹا دینا چاہئے۔[مسلم، باب التثبت فی الحدیث ۲۲۹۸]

کتابت حدیث کے جواز کے دلائل یہ ہیں:

[۱] فتح مکہ کے سال ایک خزاعی شخص نے قبیلۂ لیثی کے ایک فرد کو قتل کردیا تھا، اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کی حرمت وتعظیم کے

سلسلہ میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس وقت ایک یمنی شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھ دیجئے، آپ نے فرمایا:

اُکتبُوا لِأبی شاہ [بخاری باب کتابۃ العلم]

[۲] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنّا نَسمع مِنک أشیاءَ أفنکتبها قال فَاکتُبوا ولا حرج ، [مجمع الزوائد ۱/ ۱۵۱]

ہم آپ سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں کیا ہم اس کو لکھ لیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ لکھ لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔

[۳] **قیّدوا العلم بالکتابة ،** [منتخب کنز العمال ۴/ ۶۹]

لکھنے کے ذریعہ علم کو قید کرلیا کرو۔

دونوں قسم کے دلائل سے جو تعارض نظر آرہا ہے علماء نے اس تعارض کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

[۱] ایک حدیث میں کتابت حدیث کی اجازت، اور دوسری میں ممانعت، ان دونوں کا تعلق الگ الگ اشخاص سے ہے کہ جن کا حافظہ کم تھا ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کی اجازت دی تھی، اور جن کا حافظہ کم نہ تھا بلکہ زیادہ تھا ان کو کتابت سے منع فرمایا تھا، تاکہ یاد کرنے کا اہتمام نہ چھوڑ دیں، کیونکہ کبھی کبھی لکھی ہوئی چیز گم بھی ہوجاتی ہے۔

[۲] ابتداء اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت سے منع فرمایا تھا کیونکہ وہ زمانہ نزولِ قرآن کا تھا، نزول کے ساتھ لکھنے کا انتظام کیا جاتا تھا، اگر ان ایام میں احادیث کو بھی اہتمام سے لکھا جاتا تو بوجہ ابتداءِ اسلام، قرآن و حدیث میں امتیاز مشکل ہو جاتا، لیکن جب قرآن ضبط ہو گیا اور التباس کا خطرہ کم ہوگیا تو پھر کتابت حدیث کی اجازت دیدی گئی۔ خلاصہ یہ کہ ممانعت وقتی اور عارضی تھی۔

[۳] ممانعت کا تعلق یکجا لکھنے سے تھا، نہ کہ الگ الگ لکھنے سے۔

[۴] نہی مقدم ہے اور اجازت کی روایت بعد کی ہے۔

غرض اسلاف میں ابتداءً اختلاف رہا، لیکن بعد میں خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں کتابت کے جواز بلکہ استحباب پر اجماع و اتفاق ہوگیا۔

حجیت خبر متواتر

حدیث کی جتنی بھی قسمیں ہیں وہ تمام قسمیں راویوں کی تعداد کے لحاظ سے یا تو متواتر ہوں گی یا مشہور، عزیز ہوں گی یا غریب، لہٰذا جب ان چار قسموں کی حجیت ثابت ہوجائیگی تو ان چاروں کے تحت حدیث کی جو قسم بھی آئیگی اس کی حجیت از خود ثابت ہوجائیگی۔

قرآن مجید خود ایک خبر متواتر ہے تو جب قرآن پاک کی حجیت کو مانا گیا تو

اس کے معنی یہ ہوئے کہ خبر متواتر کی حجیت کو مانا گیا، کیونکہ خاص بغیر عام کے اور قسم بغیر مقسم کے نہیں پائی جاتی، نیز قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا کس بات سے ثابت ہوا؟ خود قرآن پاک سے تو نہیں، کیونکہ اس سے تو، توقف الشئی علی نفسہ لازم آئیگا، جس کا بطلان واضح اور بدیہی ہے، تو لامحالہ قرآن پاک کا کلام اللہ ہونا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے ثابت ہوا۔ اور وہ قول ہم تک خبر متواتر کے طور پر پہنچا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام کو، کلام اللہ کہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا خبر متواتر سے معلوم ہوا۔ لہٰذا اگر خبر متواتر حجت نہ ہو تو قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

حجیت خبر مشہور

آیت کریمہ سے: قولہ تعالیٰ ﴿ اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ ﴾ [یٰسین/ ۱۴] یہاں تیسرا آدمی اسلئے بھیجا گیا تاکہ خبر پختہ ہوجائے، اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے بیان کرنے والے تین آدمی ہوں وہ قابل حجت ہے اس سے خبر مشہور کی حجیت ثابت ہوگئی۔

حجیت خبر عزیز

آیت کریمہ سے: قولہ تعالیٰ ﴿ وَ اَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾

[سورۂ طلاق ر ۲] اس آیت کریمہ میں شہادت کے مسئلہ کا بیان ہے کہ شہادت کیلئے دو آدمی کا ہونا کافی ہے۔اور ظاہر ہے کہ شہادت کی اہمیت روایت سے بڑھ کر ہے کیونکہ شہادت ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں دوسروں پر الزام قائم کرنا ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ شہادت کو قاضی کے سامنے آکر بیان کرنا پڑتا ہے بخلاف روایات کے، کہ ان میں یہ باتیں نہیں ہوتیں، لہٰذا جب دو آدمیوں سے شہادت ثابت ہوسکتی ہے تو روایت کا دو آدمیوں سے ثابت ہونا بطور دلالۃ النص بطریق اولیٰ ہوگا۔

حجیت خبر واحد

☆......[۱] حجیت خبر واحد، قرآن پاک سے یوں ثابت ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ﴾ [سورۂ تکویر پ ۳۰] اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم جبرئیل امین کے واسطہ سے پہنچایا گیا ہے جو کہ فرد واحد ہے اس لحاظ سے قرآن مجید خبر واحد ہوا لہٰذا جب قرآن مجید حجت ہے تو خبر واحد بھی حجت ہے۔

لیکن اس پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل امین تو فرشتہ ہے، فرشتہ پر انسان کو قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے۔اس شبہ کے دو جواب ہیں:

[الف] یہاں کلام، نفس روایت میں ہے کہ ایک شخص کا کلام اور اس

کی روایت حجت ہے یا نہیں، قطع نظر اس سے کہ راوی کس جنس کا ہے، تو حاملِ خبر ہونے کے لحاظ سے انسان و فرشتہ برابر ہیں۔

[ب] خبر واحد کے حجت ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ راوی عادل ہو، تو جب راوی عادل ہوا تو بمنزلہ فرشتہ کے ہوگیا اور نیک انسان بمنزلہ فرشتہ ہوتا ہے تو خبر واحد کی حجیت قرآن پاک سے ثابت ہوگئی۔

☆......[۲] عموماً حضرات انبیاء علیہم السلام ایک ایک کرکے اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے، ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ ﴾ [سورۂ ہود] اس سے معلوم ہوا کہ تمام ادیان کا دارومدار خبر واحد پر ہے، نیز پہلے انبیاء علیہم السلام کو کلامی معجزہ نہیں ملا، یہ فقط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے، اسلئے اکثر انبیاء سابقین کی وحی کی نوعیت، ہماری حدیث کی طرح تھی، کہ معانی، حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے تھے، ان معانی کو حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے الفاظ میں بیان فرماتے، وحی متلو ان پر نہیں اترتی تھی، گویا کہ ہمارے دین کے ماسوا تمام ادیان کا دارومدار خبر واحد پر ہے اس سے ثابت ہوا کہ خبر واحد حجت ہے تب تو ان کی قوم کو ان کی بات تسلیم کرنا لازم ہوا۔

اشکال

حضرات انبیاء علیہم السلام کی خبر کے معتبر ہونے کا منشا ان کی نبوت تھی،

لہٰذا غیر نبی کو نبی پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہوا؟

جواب

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾[سورۂ نجم]اس آیت شریفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے حجت ہونے کا دارومدار اس بات پر رکھا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ضلالت ہے اور نہ غوایت، اور نہ اتباع ھویٰ ہے، چونکہ خاص طور سے حضرات انبیاء علیہم السلام ان تینوں عیوب سے مبرا اور منزہ ہوتے ہیں، اسلئے ان کا قول قابل حجت ہے، غرض اعتبار خبر کا مدار انھیں صفات ثلاثہ پر ہے اور غیر نبی ایسے ملتے ہیں جو ضلالت وغوایت واتباع ہوا سے منزہ ہوتے ہیں گو کم کیوں نہ ہوں، لہٰذا خبر واحد کے بارے میں غیر نبی کو نبی پر قیاس کیا جاسکتا ہے، یہ ایک جزئی حیثیت ہے باقی یہ الگ بات ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں ان سے غیر نبی کی کیا نسبت ہوسکتی ہے۔ عیاں راچہ بیاں

☆......[۳] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يَا مُوْسٰى اِنَّ الْمَلَأَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النَّاصِحِيْنَ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفاً يَّتَرَقَّبُ ... ﴾

[سورۂ قصص ر ۴۰] اس آیت کریمہ میں دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک آدمی کی خبر کا اثر ہوا، ظاہر پر اثر ہوا کہ آپ بھاگے اور باطن پر یہ اثر ہوا کہ آپ خائف ہوئے، لہٰذا اس سے بھی خبر واحد کی حجیت ثابت ہوگئی۔ نیز خبر دینے والا کبھی عادل ہوتا ہے اور کبھی فاسق، قرآن کریم میں تو فاسق کی خبر کو بھی مطلقاً رد نہیں کیا گیا اور عادل کا مرتبہ تو کہیں اس سے بڑھ کر ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَا فَتَبَيَّنُوْا ﴾ [سورۂ حجرات/۶] دیکھئے اس آیت شریفہ میں یہ حکم ہوا کہ فاسق کی خبر ہو تو اس کو مطلقاً رد نہ کرو، بلکہ تحقیق کرو، صحیح نکلے تو قبول کرو نہیں تو چھوڑ دو، لہٰذا عادل کی خبر کو بطریق اولیٰ قبول کر لینا چاہئے۔

●......●......☆☆☆☆......●......●

علوم نبوی کی قسمیں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی طور پر دو قسم کی ہے: ۱......وحی متلو ۲......وحی غیر متلو،

پھر وحی غیر متلو کی دو قسم کی ہے:

☆......[۱] پہلی قسم وہ احادیث جن کا تعلق پیغام رسانی سے ہے، اور جو حکم شرعی کے طور پر آپ نے ارشاد فرمایا، یہی روایات شریعت کی بنیاد ہیں۔

☆......[۲] دوسری قسم وہ ہے جو پیغام رسانی اور حکم شرعی کے طور پر نہیں بلکہ امور دنیوی اور رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، احادیث کا یہ حصہ استفادہ کیلئے ہے، ان پر عمل نہ کرنے سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔

پہلی قسم کے تحت چار طرح کی روایات آتی ہیں:

[الف] معاد: یعنی آخرت سے تعلق رکھنے والی روایات، جیسے عالم برزخ، میدان حشر، جنت کے احوال و واقعات، فرشتوں اور ذات باری سے متعلق روایات۔

[ب] احکام شرعیہ یعنی عبادات، وقتی نظام سے متعلق روایات، ان میں بعض روایات کا تعلق وحی سے ہے اور بعض کا تعلق آپ کے اجتہادات سے۔

[ج] اخلاقیات و مصالح پر مشتمل روایات: جن کا تعلق کسی وقت متعین سے نہیں، بلکہ مفید اور مضر نتائج کا ذریعہ بنتی ہیں۔

[د] اعمال کے فضائل اور کرنے والوں کی منقبت سے متعلق روایات۔

دوسری قسم ان روایات کی جو احکام کے طور پر نہیں بلکہ دنیوی امور میں رائے کے طور پر آپ نے ارشاد فرمائی، اس کے تحت پانچ طرح کی روایات آتی ہیں:

[الف] وہ روایات جن کا تعلق علاج اور طب سے ہے۔

[ب] وہ روایات جن کا تعلق آپ کی عادات مبارکہ سے ہے یعنی جس کو آپ نے بطور عادت کیا ہے نہ کہ بطور عبادت۔

[ج] وہ روایات جن کا تعلق مروجہ عام باتوں سے ہو، یعنی جس قسم کی بات سبھی لوگ کیا کرتے ہوں، مثلاً ام زرع کا واقعہ، خرافہ کا واقعہ۔

[د] وہ روایات جن کا تعلق ہنگامی حالات و واقعات سے ہو، یعنی ان روایات میں کوئی ایسی بات مذکور ہو جس کا تعلق اس وقت کی خاص مصلحت سے ہو، تمام امت پر وہ لازم نہ ہو، جیسا کہ جنگ بدر میں آپ نے ایک خاص مقام پر اترنے کا حکم دیا، مگر خباب بن منذر کے مشورہ کی بنا پر خود آپ نے حکم بدل دیا۔

[ہ] کوئی خاص حکم اور فیصلہ: جیسا کہ حضرت ماریہ قبطیہ کے چچازاد بھائی پر تہمت کی بنا پر آپ نے قتل کا حکم دیا، حضرت علی کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ تو مجبوب ہے، لہٰذا آپ نے حکم فرمایا کہ قتل مت کرو۔

[رحمۃ اللہ الواسعہ ۲/ ۴۴۲]

اقسام حدیث کا بیان

حدیث کی جتنی قسمیں ہیں، طالب حدیث کیلئے ان تمام اقسام کو مستحضر رکھنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر حدیث میں مہارت وبصیرت حاصل نہیں ہوسکتی، اس لئے ذیل میں اعتباری فرق کے ساتھ حدیث کے اقسام ذکر کئے جاتے ہیں۔

باعتبار تعداد رواۃ

حدیث کی بنیادی اور اساسی تقسیم، تعداد رواۃ کے اعتبار سے کی جاتی ہے کہ راویوں کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی دو قسم ہے:

[۱]......خبر متواتر [۲]......خبر واحد۔

پھر خبر واحد کی تین قسم ہے: ......مشہور......عزیز......غریب۔

بعض حضرات نے اس کی تقسیم اس طرح کی ہے کہ تعداد رواۃ کے اعتبار سے حدیث کی چار قسم ہے:

......متواتر......مشہور......عزیز......اور......غریب۔

اور اس کی وجہ حصر یہ بیان کی ہے کہ راویوں کی تعداد کسی طبقہ میں محدود ہوگی یا غیر محدود، اگر غیر محدود ہے تو متواتر، اور اگر وہ محدود ہے تو اس کی تین

صورت ہوگی یا تو دو سے زائد ہوگی یا دو ہوگی یا ایک، اگر دو سے زائد ہو تو اس کو مشہور کہیں گے، اور اگر دو ہو تو اس کو عزیز، اور اگر ایک ہو تو اس کو غریب کہیں گے، تو چونکہ تعداد رواۃ کی یہی چار صورت ممکن ہے اسلئے چار قسم ہوگی۔

ذیل میں ہر ایک کی تعریف اور اس کے اقسام ذکر کئے جاتے ہیں:

متواتر

وہ حدیث ہے جس کے بیان کرنے والے ہر زمانے میں اس قدر ہوں کہ ان کا اجتماع علی الکذب عادۃً ناممکن اور محال ہو۔[✱]

تواتر کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: ......تواتر فعلی ......تواتر قولی۔

عام طور پر اہل اصول نے متواتر کی یہی دو قسم ذکر کی ہے، متواتر لفظی اور متواتر معنوی، متداول کتب میں یہی دو قسم مذکور ہیں، البتہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے متواتر عملی اور متواتر طبقہ کا اضافہ فرمایا ہے۔

تواتر فعلی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فعل جس کو اہل اسلام نے ہر دور میں کیا ہو اور مسلمانوں کے ایک جم غفیر نے اس کو ہر دور میں اپنا دستور عمل بنا کر عمل

[✱] باب تفاعل سے اسم فاعل بمعنی کسی چیز کا وقفہ کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے آنا، پے در پے آنے والا، ہونے والا۔

میں لاتے رہے ہوں، کہ ان کا توافق علی الکذب محال ہو۔

جیسے صوم وصلوٰۃ سے متعلق آپ کے افعال، اسی طرح یوم عرفہ میں ظہر و عصر کو ایک ساتھ پڑھنا، مغرب وعشاء کو جمع کرنا، یہ سنداً متواتر نہیں، مگر ہر زمانہ میں اس پر عمل جاری ہے۔

تواتر قولی

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرمودات جو تواتر سے ثابت ہوں یعنی اس کے نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر ہوں کہ ان کا توافق علی الکذب محال ہو۔

تواتر قولی کی دو قسم ہے:

تواتر لفظی

وہ حدیث ہے جس کے رواۃ نے اس کے الفاظ و معانی دونوں کی حفاظت کی ہو یعنی دونوں متواتر ہوں، اس کا دوسرا نام قدر مشترک ہے۔

[تدریب الراوی ۲/ ۱۸۰]

جیسے: ''من کذب علیّ متعمِّداً فلیتبوّأ مقعدهٗ من النار'' جس نے میری طرف عمداً کذب کی نسبت کی اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

اس حدیث کو ستر سے زائد صحابہ نے نقل کیا ہے اسی طرح مسح علی الخفین، شفاعت، واقعۂ معراج، انگلی سے پانی نکلنے کی روایت، حضرت قتادہ کی آنکھ واپس لوٹانے کی روایت وغیرہ کو اہل اصول نے متواتر شمار کیا ہے۔[1]

تواتر معنوی

وہ حدیث ہے جس کے الفاظ مختلف ہوں مگر رواۃ نے اس کے معانی و مطالب کی حفاظت کی ہو یعنی ان مختلف الفاظ سے کوئی ایک ہی بات ثابت ہوتی ہو جیسے دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے کی روایات۔

خبر واحد

خبر واحد اس حدیث کو کہتے ہیں جو متواتر نہ ہو یعنی جس کے رواۃ کی تعداد حد تواتر تک نہ پہنچی ہو۔

اس کی تین قسم ہے:......مشہور......عزیز......غریب

مشہور

جس روایت کے راوی ہر طبقہ میں دو سے زائد ہوں البتہ حد تواتر سے کم ہوں یا اس سے علم بدیہی یقینی حاصل نہ ہوتا ہو۔[2]

---

[1] علوم الحدیث [ڈاکٹر صبحی بیروت]

[2] مشہور، اسم مفعول ہے، شہرت الامر سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ کوئی شخص کسی کام کو اچھی طرح ظاہر کردے۔

یعنی اس میں یہ ضروری نہیں کہ راویوں کا سلسلہ از اول تا آخر یکساں ہو، اور کسی طبقہ میں زائد نہ ہوئے ہوں، بلکہ صرف یہ ضروری ہے کہ ہر طبقہ سے زائد ضرور ہوں خواہ کسی طبقہ میں زائد بھی ہو گئے ہوں البتہ حد تواتر تک نہ پہنچے ہوں۔

مثال: **المسلم من سلم المسلمون من لسانِه و یدِه**، [بخاری/٦]

☆...... **فائدہ**: مشہور ہی کے ساتھ ایک لفظ ''مستفیض'' استعمال ہوتا ہے جس کے معنی بہنے اور پھیلنے والا، ایک قول کے مطابق دونوں مترادف ہے، دوسرے قول کے مطابق یہ خاص ہے بایں طور کہ مستفیض وہ ہے جس کے نقل کرنے والے کی تعداد شروع سے لے کر آخر تک برابر ہو، مشہور میں یہ قید نہیں، بعض حضرات کے بقول ایسی حدیثوں کو بھی مشہور کہہ دیا جاتا ہے جن پر حدیث مشہور کی تعریف صادق نہیں آتی، مگر چونکہ کسی خاص طبقہ کے نزدیک وہ معروف اور زبان زد ہو جاتی ہے اس لئے مشہور کہہ دیا جاتا ہے۔

عزیز

وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں دو ہوں، یعنی ہر طبقہ میں کم از کم دو ہوں، اگر چہ وہ حدیث کتنے ہی طرق سے مروی ہو۔

مثال: **لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده و الناس اجمعین**، [مسلم شریف/ ٤٩]

یہ حدیث حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، پھر حضرت انس؄ سے قتادہ اور عبد العزیز نے نقل کیا ہے اور حضرت قتادہ سے حضرت شعبہ اور حضرت سعید نے نقل کیا ہے اور عبد العزیز سے اسماعیل بن علیہ نے پھر ہر ایک سے ایک ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

غریب

وہ حدیث ہے جس کی سند میں کسی جگہ صرف ایک راوی ہو، خواہ ہر طبقہ میں ایک ہی راوی ہو یا کسی طبقہ میں زائد بھی ہو گئے ہوں، اس کو فرد بھی کہتے ہیں۔ 💣

مثال: **الایمان بضع و سبعون شعبة**، [مسلم شریف/ ٤٧]

اس کو صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اور ان سے صرف ابو صالح نے اور ابو صالح سے صرف عبد اللہ بن دینار نے نقل کیا ہے۔

متابعت

ایک راوی اگر دوسرے راوی کی طرح ہی روایت نقل کرے تو اس کو متابعت کہتے ہیں اگر متابعت ہو جائے تو اس سے حدیث کی تائید ہوتی ہے۔

💣 لغۃً صفت مشبہ ہے بمعنی نادر، قلیل الوجود، دوسرا معنی قوی طاقت ور ہے۔ یہ لغۃً صفت مشبہ ہے جس کے معنی منفرد اور وطن سے دور ہونے کے ہیں اس کی دو قسم ہے: غریب مطلق، غریب، غریب بشئی

متابعت اور تائید دو طرح ہوتی ہے:

متابع

وہ حدیث کہلاتی ہے جس کو راوی لفظ و معنی دونوں اعتبار سے، یا صرف معنی کے اعتبار سے کسی حدیث کے موافق نقل کرے اور وہ دونوں حدیث ایک ہی صحابی سے مروی ہو۔

شاہد

وہ حدیث ہے جس کو راوی لفظ و معنی دونوں یا صرف معنی کے اعتبار سے حدیث غریب کے موافق نقل کرے، مگر دونوں حدیث الگ الگ صحابی سے مروی ہو۔

اقسام حدیث باعتبار احوال رواۃ

راویوں کے احوال وصفات کی بناپر حدیث کی فنی حیثیت متعین ہوتی ہے اگر مطلوب ومقصود اوصاف پائے جاتے ہوں تو حدیث مقبول، اور اگر مطلوبہ صفات موجود نہ ہوں تو حدیث مردود وضعیف کہلاتی ہے، نیز مقبول ہونے کے اوصاف بھی یکساں اور برابر نہیں ہوتے، نیز مطلوبہ اوصاف نہ پائے جانے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں اس بنا پر راویوں میں پائی جانے والی صفات و احوال کے اعتبار سے سولہ قسم ہوجاتی ہے:

❁......صحیح لذاتہ ❁......حسن لذاتہ ❁......ضعیف ❁......صحیح لغیرہ

❁......حسن لغیرہ ❁......موضوع ❁......متروک ❁......شاذ

❁......محفوظ ❁......منکر ❁......معروف ❁......معلل

❁......مضطرب ❁......مقلوب ❁......مصحف ❁......مدرج

☆......[۱] صحیح لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے سبھی راوی عادل، کامل الضبط ہوں، اس کی سند متصل ہو، اور وہ حدیث معلل وشاذ نہ ہو۔

عادل وہ شخص ہے جو پانچ عیوب [کذب، تہمت کذب، فسق، جہالت، بدعت] سے خالی اور محفوظ ہو۔

اور تام الضبط وہ شخص ہے جو پانچ عیوب [فحش غلط، غفلت، وہم،

مخالفت ثقہ،اورسوءحفظ] سے محفوظ ہو۔

متصل کا مطلب یہ ہے کہ سند میں کوئی راوی چھوٹا ہوا نہ ہو۔

معلل: جس میں علت نہ پائی جاتی ہو،یعنی کوئی ایسا مخفی اور پوشیدہ عیب جس کو اہل فن ہی سمجھ سکتے ہوں۔

شاذ: ثقہ راوی کی روایت اوثق راوی کی روایت کے خلاف ہوتو اس ثقہ روای کی روایت کوشاذ کہیں گے۔

☆……[۲] حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں ضبط کی کمی ہو،البتہ صحیح لذاتہ کی باقی شرطیں موجود ہوں۔

یعنی صحیح لذاتہ کی پانچ شرط [راوی کا عادل ہونا، روایت کا متصل ہونا، معلل وشاذ نہ ہونا] پائی جائیں،البتہ پانچویں شرط تام الضبط مفقود ہو بلکہ اس کی یادداشت کمزور ہو،ہاں اس قدر بھی کمزور نہ ہو کہ غیر معتبر قرار پائے۔

☆……[۳] ضعیف: وہ حدیث ہے جس میں صحیح اور حسن کی شرطوں میں سے سبھی، یا کوئی ایک شرط نہ پائی جائے۔

یعنی کسی حدیث کے صحیح ہونے کیلئے جو شرائط مذکور ہوئیں ان میں سبھی یا بعض نہ پائی جائے۔

☆……[۴] صحیح لغیرہ: اس حسن لذاتہ حدیث کو کہیں گے جو متعدد سندوں سے منقول ہو۔

یعنی وہ حدیث جو راوی کے خفیف الضبط ہونے کی بنا پر صحیح ہونے کے بجائے حسن لذاتہ ہو،لیکن وہی حدیث کئی سندوں کے ساتھ منقول ہو،جس سے اس راوی کے حفظ وضبط کی جو کمی تھی،اس کی تلافی ہوگئی ہو،اس کو صحیح لغیرہ اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس پر صحت کا حکم دوسری سند کی بنا پر ہوا۔

☆……[۵] حسن لغیرہ: وہ ضعیف حدیث ہے جو متعدد سند سے منقول ہو اور متعدد سند کی بنا پر اس کا ضعف ختم ہو گیا ہو۔

حدیث ضعیف کے حسن لغیرہ ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ اس کا راوی سیّئ الحفظ ہو یا مجہول ہو یا مستور ہو یا سند منقطع ہو،ایسی روایت چند سے منقول ہونے کی بنا پر حسن لغیرہ بن جاتی ہے،لیکن اگر سبب ضعف،کذب، یا تہمت کذب یا فسق ہو تو پھر تعدد طرق سے منقول ہونے کے بعد بھی وہ ضعیف ہی رہے گی۔

☆……[۶] موضوع: وہ کلام جس کی جھوٹی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔

☆……[۷] متروک: وہ حدیث ہے جو کسی ایسے راوی سے منقول ہو جو متہم بالکذب ہو۔

☆……[۸] شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی ثقہ ہو،مگر اس کی وہ روایت،اوثق وارجح راوی، یا چند ثقہ راوی کی روایت کے خلاف ہو۔

ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے، البتہ ایسی زیادتی اور مخالفت جس کو قبول کرنے میں اوثق یا چند ثقہ راوی کی روایت کو رد کرنا لازم آتا ہو، اس کو شاذ کہیں گے۔

☆......[۹] محفوظ : وہ حدیث ہے جس کا راوی اوثق ہو مگر اس کی روایت کے خلاف کسی ایسے راوی نے روایت کی ہو جو ضبط و اتقان میں اس سے کمتر ہو۔

گویا حدیث محفوظ حدیث شاذ کا بالمقابل ہے۔

☆......[۱۰] منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی ضعیف ہو، اور کسی ثقہ ومقبول راوی کی روایت کے خلاف نقل کی ہو۔

☆......[۱۱] معروف : ثقہ راوی کی وہ روایت جو ضعیف راوی کی روایت کے خلاف ہو۔

گویا معروف کا بالمقابل منکر اور منکر کا بالمقابل معروف ہے، اسی طرح محدثین کی اصطلاح میں وہ حدیث بھی منکر کہلاتی ہے جس کا راوی فاحش الغلط ہو یا کثیر الغفلت ہو یا فسق وبدعت کا مرتکب ہو۔

☆......[۱۲] معلل: وہ حدیث ہے جس کی سند بظاہر صحیح ہو لیکن اس کی سند یا متن میں کوئی ایسی پوشیدہ خامی ہو کہ اس کو ماہر فن ہی سمجھ سکتا ہو۔

یعنی کسی راوی نے وہم ونسیان کی بنا پر کوئی ایسا ردوبدل یا اضافہ کر دیا ہو

رہبر علم حدیث

کہ ہر شخص کو معلوم نہ ہو سکے، بلکہ اہل فن ہی اس سے واقف ہو سکیں۔

☆......[۱۳] مضطرب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں اس قسم کا تضاد واختلاف ہو کہ ان میں نہ تو ترجیح دینا ممکن ہو اور نہ ہی تطبیق۔

یعنی جو حدیث مختلف الفاظ میں منقول ہو اور سند یا متن میں وہ اختلاف یا تو ایک ہی راوی کے بار بار بیان کرنے سے ہو متعدد راوی کی روایت میں، پھر وہ اختلاف اس طرح کا ہو کہ کسی طرح دونوں کے درمیان تطبیق دینا، یا کسی ایک کو راجح قرار دینا ممکن نہ رہے، اگر تطبیق یا ترجیح ممکن ہو جائے تو پھر اس کو ضعیف نہیں کہیں گے۔

☆......[۱۴] مقلوب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہو۔

جیسے ”**حتی لاتعلم شماله ما تنفق یمینه**“ کے بجائے ”**حتی لاتعلم یمینه ما تنفق شماله**“ ہوگیا۔

☆......[۱۵] مصحف : وہ حدیث ہے جس میں ایک حرف کسی اور حرف سے یا کوئی نقطہ کسی اور نقطہ سے بدل جائے۔ مثلاً مراجم سے مزاحم ہو جائے۔

☆......[۱۶] مدرج: وہ حدیث ہے جس میں کسی جگہ راوی نے کوئی لفظ یا جملہ اس طرح بڑھا دیا ہو کہ سننے والا اس کو حدیث کا ہی حصہ سمجھتا ہو۔

راوی کے حذف ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے

حدیث کی قسمیں

حدیث کے بیان کرنے کی دوصورت ہوتی ہے کبھی تو راوی اور محدث اس حدیث کے تمام راویوں کو ذکر کرتے ہوئے الفاظ حدیث نقل کرتا ہے اور کبھی کسی بھی وجہ سے ایک یا چند یا سبھی راویوں کو حذف کر دیتا ہے، اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ سند سے کوئی راوی ساقط ہے یا نہیں، اس سقوط اور عدمِ سقوط کے اعتبار سے خبر واحد کی سات قسمیں ہوجاتی ہیں۔

❁......متصل　　❁......مسند

❁......منقطع　　❁......معلق

❁......معضل　　❁......مرسل

❁......مدلس

......[۱] متصل

وہ حدیث ہے جس کی سند میں ہر راوی مذکور ہو، کوئی راوی محذوف اور ساقط نہ ہو۔

عدم سقوط کو اتصال سند کہتے ہیں، فنی حیثیت سے راویوں کے حالات

کے مطابق حدیثِ متصل صحیح بھی ہوسکتی ہے اور ضعیف بھی۔

......[۲] مسند

وہ حدیث ہے جو سنداً متصل بھی ہو اور اس کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کی گئی ہو۔

حدیث کے مسند ہونے کیلئے جمہور کے نزدیک دو باتوں کا ہونا لازم ہے ایک یہ کہ وہ مرفوع ہو اور دوم یہ کہ وہ متصل السند ہو، ان دونوں قید کے بغیر وہ مسند نہ کہلائے گی، اس کے برخلاف خطیب بغدادی ہر متصل السند کو مسند کہتے ہیں، گویا ان کے نزدیک حدیث متصل کا یہ مترادف ہے اس لحاظ سے صحابی کی موقوف روایت اور تابعی کی مقطوع روایت کو بھی مسند کہہ سکتے ہیں۔

❁......حکم: حسب حالات رواۃ اس پر صحت وضعف کا حکم ہوگا۔

......[۳] منقطع

وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے ایک یا چند راوی محذوف ہوں، البتہ مسلسل محذوف نہ ہوں بلکہ الگ الگ۔

اس کا معنی سند کا متصل نہ ہونا، راوی کا نام مذکور نہ ہونا۔ از روئے لغت ہر اس حدیث کو منقطع کہہ سکتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو، اس لحاظ سے

غیر متصل السند حدیث کی تمام صورتیں (معلق ،مرسل ،معضل وغیرہ) اس میں شامل ہوں گی اور ہر ایک کو منقطع کہہ سکتے ہیں، گویا اس استعمال کے اعتبار سے یہ ایک مقسم ہوگی اور معلق مرسل وغیرہ اس کی قسیم بن جائیگی جبکہ مذکورہ تعریف کے لحاظ سے معلق وغیرہ منقطع کی قسیم ہے۔

......[۴] معلق

وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع سے ایک یا زیادہ راوی محذوف ہوں۔

اس طرح راوی کے نام چھوڑنے کو تعلیق کہتے ہیں، بصورت تعلیق راوی کے نام چھوڑنے کی تین صورت ہوتی ہے:

❁......کبھی تو راوی، سند سے صرف پہلے ایک راوی کو

❁......کبھی ایک سے زائد کو

❁......کبھی پوری سند کو حذف کر دیتا ہے۔

جیسا کہ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں معلق روایات نقل کی ہیں جو تعلیقات بخاری کے نام سے مشہور ہیں۔

خیال رہے کہ مشکوٰۃ شریف میں صرف صحابی کا نام مذکور ہے باقی سند محذوف ہے پھر بھی اس کی روایات کو معلقات میں شمار نہیں کریں گے کیونکہ

معلق ان روایات کو کہتے ہیں کہ جن کو راوی اپنی سند سے نقل کرتے ہوئے سند حذف کر دے جبکہ مشکوٰۃ میں مؤلف نے اپنی سند سے روایت نقل نہیں کی بلکہ کتب احادیث سے انتخاب کر کے جمع احادیث کا کام کیا ہے اس لئے اس کو معلقات میں شمار نہیں کیا جاتا۔

......[۵] معضل

وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایک سے زائد راوی پئے در پئے محذوف ہوں۔

الاعضال کا اسم مفعول ہے جس کے معنی تھکا دینا، مناسبت یہ ہے کہ مسلسل دو کے محذوف ہونے یا نہ ہونے کے فیصلہ کرنے میں محدث درماندہ ہو جاتا ہے، تھک جاتا ہے اس لئے اس کو معضل کہتے ہیں۔

[ظفر الامانی ص/ ۱۹۹۔ وعلوم الحدیث ص/ ۱۳۵]

معضل اور معلق کے درمیان قدرے فرق ہے:

❁......اگر ابتداء سند سے مسلسل دو، یا دو سے زائد راوی محذوف ہوں تو اس کو معضل اور معلق دونوں کہیں گے۔

❁......اور اگر درمیانِ سند سے مسلسل دو یا دو سے زائد راوی حذف ہوں تو اس کو معلق نہیں کہیں گے۔

❁......اور اگر ابتداء سند سے صرف ایک راوی محذوف ہو تو اس کو

معضل نہیں کہیں گے۔

......[۶] مرسل

وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے راوی محذوف ہو۔

یعنی تابعی کے بعد کا راوی محذوف ہو، اس طرح حذف کرنے کو ارسال کہتے ہیں، تابعی مثلاً سعید بن المسیب بعد کے راوی کو حذف کر کے یوں کہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگر تاریخ وغیرہ سے معلوم ہو جائے کہ فلاں صحابی نے یہ روایت براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہے بلکہ کسی صحابی سے سنی ہو گی مگر بیان روایت کے وقت انہوں نے صحابی کا نام حذف کر دیا، تو یہ مرسل کہلاتی ہے، مرسلِ صحابی بالاتفاق معتبر ہے، **لأن الصحابة کلهم عدول** ،

صحابہ کے علاوہ تابعی، تبع تابعین اگر مرسل بیان کریں تو عندالاحناف و المالکیہ مطلقاً مرسل روایت معتبر ہے بشرطیکہ وہ تابعی ہمیشہ ثقہ ہی سے روایت نقل کرتا ہو، عندالشوافع اگر اس کی تائیدی روایت مل جائے تو معتبر ورنہ نہیں۔

......[۷] مدلس

وہ حدیث ہے جس کی روایت میں راوی نے شیخ یا شیخ الشیخ کے نام وغیرہ

کو اس طرح حذف کر دیا ہو کہ مذکور شیخ سے ہی سننے کا وہم ہوتا ہو۔

یہ میم مضموم اور لام مشدد مفتوح کے ساتھ اسم مفعول ہے، تدلیس مصدر ہے، جس کا معنی بیع کے عیب کو چھپانا، رات کی تاریکی کو دَلس کہتے ہیں چونکہ مدلس حذف راوی کے ذریعہ اس کے عیب کو چھپاتا ہے اس بنا پر اس کو مدلس کہتے ہیں، اس کے اقسام اور حکم کیلئے ملاحظہ ہو:

شرح نخبۃ الفکر صفحہ/ ۶۶۔ تدریب صفحہ ۲۲۳/ ۱۔ فتح المغیث/ ۹۳۔

منتہائے سند کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم

راوی جس روایت کو نقل کر رہا ہے ظاہر ہے اس روایت کا تعلق کسی نہ کسی ذات سے ہو گا اور اس روایت کے الفاظ کسی نہ کسی شخصیت سے منسوب ہوں گے، تو نسبت اور سند کی انتہاء کے اعتبار سے حدیث کی تین قسم ہو جاتی ہے:

......مرفوع ......موقوف ......مقطوع

حدیث مرفوع

وہ حدیث جس کی نسبت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔

تعریف کا نچوڑ یہ ہے کہ جس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جائے، نسبت کرنے والا خواہ صحابی ہو یا تابعی، یا ان

کے بعد کے لوگ، نیز اس کی سند مکمل مذکور ہو، یا ناقص، یا بالکل محذوف ہو، بہر صورت اس کو مرفوع کہیں گے اور آپ کی طرف نسبت کر کے بیان کرنے کو رفع سے تعبیر کرتے ہیں، اس کے اقسام و تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: تدریب الراوی، ج:۱ص: ۱۸۵۔ علوم الحدیث ص: ۱۴۲۔

حدیث موقوف

موقوف وہ روایت ہے جس کی نسبت کسی صحابی تک پہنچتی ہو۔

یعنی ہر وہ خبر اور روایت جس میں کسی صحابی کا کوئی قول، یا کوئی عمل، یا ان کی تقریر مذکور ہو، اور اس روایت کی سند اس صحابی تک ہی پہنچتی ہو، جیسے کہا جاتا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یا فلاں صحابی نے یہ عمل کیا، یا اس کے سامنے وہ عمل ہوا اور وہ خاموش رہے، یا ابن عباسؓ سے موقوفاً روایت ہے، یا ان پر یہ حدیث موقوف ہے، اس لحاظ سے اس کی بھی تین قسمیں......موقوف قولی......موقوف فعلی......موقوف تقریری......ہو جاتی ہیں۔ [تدریب ۱/ ۱۸۴]

مقطوع

وہ روایت ہے جس کی نسبت کسی تابعی کی طرف کی گئی ہو۔

یعنی جس خبر و روایت میں کسی تابعی کا قول یا ان کا عمل یا ان کی تقریر مذکور

ہو۔ اس کے حکم میں تفصیل ہے ملاحظہ ہو: علوم الحدیث صفحہ ۴۹ تا ۵۱۔ تدریب ۱۹۴۔

حدیث قدسی

حدیث کی ایک قسم اور ہے جو ذات باری کی طرف نسبت کے اعتبار سے بیان کی جاتی ہے اور وہ ہے حدیث قدسی جس کی تعریف یہ ہے:

وہ حدیث جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خداوند قدوس کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان فرمائیں۔

فرق

حدیث قدسی اور قرآن مجید کے درمیان کئی لحاظ سے فرق کیا جاتا ہے:

۞......قرآن کے الفاظ و معانی دونوں منجانب اللہ ہیں جبکہ حدیث قدسی میں الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں اور معانی منجانب اللہ۔

۞......قرآن کے ثبوت کیلئے تواتر شرط ہے جبکہ حدیث قدسی میں یہ شرط نہیں۔

۞......منکر قرآن کافر ہے جبکہ اس کا منکر کافر نہیں۔

۞......نزول قرآن بواسطہ فرشتہ ہوا جبکہ حدیث قدسی کیلئے یہ ضروری نہیں بلکہ کبھی الہام و خواب کے ذریعہ بھی القاء ہوا ہے۔

حدیث کی چند قسمیں

حدیث کی چند قسمیں اور ہیں اور وہ یہ ہیں:

...... **مسلسل** ......**معنعن** ......**مؤنّن**

مسلسل

مسلسل اس حدیث کو کہتے ہیں، جس کے تمام راوی ایک لفظ کے ساتھ نقل کریں، یا نقل کرتے وقت ہر ایک راوی کی قولی یا فعلی دونوں کیفیت، یا صرف قولی یا صرف فعلی کیفیت یکساں ہو۔

تفصیل کیلئے آئینۂ اصول حدیث حصہ دوم ص: ۱۲۸ ملاحظہ ہو۔

معنعن

وہ حدیث ہے جس کی سند میں "**عن فلان عن فلان**" ہو۔

مؤنّن

وہ حدیث ہے جو "اَنَّ" کے ذریعہ بیان کی جائے۔ مثلاً راوی کہے **حدثنا فلان انَّ فلاناً قال أو جاء**،

حاملین حدیث کے اقسام

ہر فن سے خصوصی ربط و تعلق اور گہری مناسبت رکھنے والے افراد کو مخصوص خطاب والقاب سے نوازا جاتا ہے، اسی طرح فن حدیث سے گہری مناسبت اور مخصوص اشتغال رکھنے والے پاک طینت حضرات کیلئے مخصوص القاب ہیں، جن میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

طالب حدیث

متعلم حدیث کو کہتے ہیں۔

محدث

وہ شیخ واستاد جو علم حدیث کے درس وتدریس سے ہی زیادہ اشتغال رکھے، یہ تعریف حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے منقول ہے، قدیم زمانہ میں محدث کا خطاب اس شخص کو دیا جاتا تھا جو حدیث کے الفاظ ومعانی دونوں پر دسترس رکھتا ہو، اور روایات نیز راویوں کے بڑے حصہ سے واقف ہو، صرف الفاظ حدیث کا ناقل نہ ہو۔

حافظ

وہ محدث جس کو کم از کم ایک لاکھ احادیث مع الاسانید محفوظ ہوں۔ بعض نے کہا کہ دس ہزار یاد ہو۔ امام ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ حافظ الحدیث ہر چالیس سال میں پیدا ہوتا ہے، ممکن ہے یہ اپنے دور کے لحاظ سے فرمایا ہو۔

حفاظ حدیث کی بڑی تعداد گذری ہے، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ نامی کتاب میں ان سبھی حضرات کا تعارف کرایا ہے۔

حجت

وہ محدث جس کو تین لاکھ احادیث یاد ہوں۔

چنانچہ امام بخاریؒ، علی بن مدینی، یحیٰی بن معین، عبداللہ بن مبارک، امام ابو یوسف، ان حضرات کے متعلق آتا ہے کہ صرف موضوع تین لاکھ احادیث یاد تھیں۔

حاکم

وہ محدث جس کو ممکنۃ الحصول تمام احادیث مع الاسانید اور مع احوال الرواۃ یاد ہوں۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو زرعہؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ سات لاکھ احادیث اسی طرح حفظ تھیں۔

تعریف صحابی

الصحابی من لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنا بہ و مات علی الاسلام ...... یا یوں کہئے:

الأصحاب ھم المؤمنون الذین أدرکوا صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع الایمان و ماتوا بہ .

بعض حضرات نے "**ولو تخللت ردۃ علی الاصح**" کی بھی زیادتی کی ہے، کیونکہ ارتداد سے حکم صحابیت مستور ہوجاتا ہے پھر اگر دوبارہ ایمان سے مشرف ہوجائے اور دوبارہ زیارت نبوی ہوجائے تو صحابی کہلائے گا، اگر اسلام قبول کرنے کے بعد زیارت نبوی کا موقع نہ ملا تو عندالاحناف اس کو صحابی نہ کہیں گے۔

اصحاب اور صحابہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ صحابہ خاص ہے اس کا اطلاق صرف ان حضرات کیلئے صحیح ہے جو ایمان کی حالت میں زیارت نبوی سے مشرف ہوئے ہوں۔ اور یہ صحابی کی جمع ہے۔ اور اصحاب عام ہے جو کہ صاحب کی جمع ہے۔

تابعی کی تعریف

التابعی من لقی الصحابۃ مؤمناً و مات علی الاسلام .

تعداد صحابہ

صحابہ کرامؓ کی یقینی تعداد کسی صحابی سے منقول نہیں، البتہ بعض اکابر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ سے زائد تعداد تھی، سب سے زیادہ مشہور قول مشہور محدث ابوزرعہؒ کا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کی تعداد تھی۔ تاہم جن حضرات صحابہ کے کچھ بھی حالات لکھے گئے ہیں، ان کی مجموعی تعداد دس ہزار سے زائد نہیں، جن میں بچے بوڑھے اور دور نبوی میں شامل ہونے والے صحابہ بھی شامل ہیں۔

تابعین

وہ شخص جو اسلام کی حالت میں کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور اسلام کی ہی حالت میں ان کا انتقال ہوا ہو، بعض حضرات نے تابعین کے تین طبقات ذکر کئے ہیں:

- ...... اکابر تابعین: یعنی وہ تابعین جنہوں نے عموماً اکابر صحابہ سے روایت اخذ کی ہو۔

- ...... متوسطین: وہ تابعین جنہوں نے متوسط صحابہ اور تابعین سے روایت اخذ کی ہو۔
- ...... اصاغر تابعین: اصاغر صحابہ سے روایت اخذ کرنے والے تابعین۔

مخضرمین

مخضرم ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اسلام قبول کیا ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف نہ ہوسکا ہو، ایسے لوگ اصلاً تابعین ہوتے ہیں، مثلاً حضرت اویس قرنیؒ، امام مسلم خولانیؒ، وغیرہ۔

طبقات کتب حدیث

کتب احادیث کا تعارف، مختلف انداز میں کرایا جاتا ہے کبھی صحت کے اعتبار سے تو کبھی تالیف وترتیب کے لحاظ سے، ذیل میں نفس تالیف کے لحاظ سے کتب حدیث کے طبقات مذکور ہیں:

طبقۂ اولیٰ

طبقۂ تابعین، پہلی صدی ہجری کے آخر میں، سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانہ میں دو بڑے محدث کو تدوین حدیث کا حکم فرمایا، ایک حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ [م: ۱۲۵ھ] ہیں، اور دوسرے بزرگ حضرت ابوبکر بن محمد بن حزم [۱۲۰ھ] ہیں، ان دونوں حضرات نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان کے مطابق احادیث کو کتابی شکل میں مدون فرمایا، مشہور قول کے مطابق ان دونوں میں ابن شہاب زہریؒ مدون اول کہلاتے ہیں، ان کے بعد ابن حزم ظاہری کا نام آتا ہے۔

طبقۂ ثانیہ

یہ دوسری صدی کا درمیانی زمانہ ہے، اس زمانہ میں چند اکابر محدثین نے

کتب حدیث مدون فرمائیں، ابواب بھی لگائے، برخلاف طبقۂ اولیٰ کے، کہ اس میں فقط احادیث کو جمع کیا گیا، اس طبقہ کے محدثین میں سب سے زیادہ مشہور حضرت امام مالک بن انسؒ [م: ۱۷۹ھ] ہیں، اور امام سفیان ثوریؒ، مکہ مکرمہ میں ابن جریج نے، یمن میں یعمر بن راشدؒ نے، خراسان میں عبداللہ بن مبارکؒ نے، شام میں عبدالرحمٰن اوزاعیؒ اور بصرہ میں ربیع بن صبیحؒ نے مدون کیا، یہ زمانہ تقریباً ۱۵۰ھ کا تھا۔

طبقۂ ثالثہ

طبقۂ مسانید: مسند وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں صحابہ کی ترتیب پر، یا حروف ہجاء کی ترتیب پر، یا متقدم الاسلام یا متأخر الاسلام ہونے کی ترتیب پر احادیث مذکور ہوں۔ اس ترتیب پر دوسری صدی کے اختتام اور تیسری صدی کے اوائل میں تصنیفات وجود میں آئیں، اس زمانہ میں بہت سے محدثین کرام نے بڑے بڑے ذخیرۂ حدیث جمع فرمائے، ان میں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ [م: ۲۴۰ھ] اور حضرت عثمان بن ابی شیبہ زیادہ ترمشہور ہیں، اسی طرح مسند اسحٰق بن راہویہ۔

مذکورہ بالا تینوں طبقات میں کتب احادیث مخلوط تھیں، یعنی حدیث مرفوع، موقوف وغیرہ، نیز صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ میں کوئی امتیاز نہ تھا۔

طبقۂ رابعہ

یہ اصحابِ صحاح ستہ کا زمانہ ہے، ان میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صرف صحیح احادیث کو لینے کا التزام کیا ہے، یعنی مرفوع روایتوں میں بھی، حسن اور ضعیف کو نہیں لیا ہے، جبکہ باقی چار حضرات نے حسن وضعیف کو بھی لیا ہے، صرف صحاح کا التزام نہیں کیا۔

طبقۂ خامسہ

طبقۂ متأخرین، یہ محدثین متأخرین کا زمانہ ہے، حضرات متأخرین نے جب طبائع میں غفلت وکسالت دیکھی اور اسانید کے ذکر کرنے میں طوالت محسوس کی تو انہوں نے اسانید کو حذف کرکے متون کے ذکر پر اکتفاء کیا جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے کیا ہے۔

●......●......☆☆☆☆......●......●

علم حدیث کے آفتاب ومہتاب

اصحاب صحاح ستہ

ائمۂ حدیث	سن ولادت	سن وفات
محمد بن اسماعیل بخاریؒ	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ
مسلم بن حجاج نیشاپوریؒ	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ
ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ
ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ
ابوعبداللہ احمد بن شعیب نسائیؒ	۲۱۴ھ	۳۰۰ھ
محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہؒ	۲۰۷ھ	۲۷۳ھ

ائمۂ اربعہ

ائمۂ کرام	سن ولادت	سن وفات
امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ	۸۰ھ	۱۵۰ھ
امام مالک بن انسؒ	۹۳ھ	۱۷۹ھ
امام محمد بن ادریس شافعیؒ	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ
امام احمد بن حنبلؒ	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت عبداللہ، نام نامی محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ ہے۔

ولادت

آپ کی ولادت ۱۳؍شوال ۱۹۴ھ بعد نماز جمعہ بمطابق ۸۱۰ء ہوئی، آپ کا وطن بخارا ہے جو روس میں تاجکستان کے قریب ہے، اسی طرف منسوب ہوکر بخاری کہلاتے ہیں، آپ مستجاب الدعوات تھے، بہت ہی قلیل الاکل تھے، کبھی کبھی دو تین بادام پر ہی اکتفا کر لیتے، والد ماجد کی میراث کو راہ خدا میں صدقہ کر دیا۔

امام بخاریؒ عہد طفولیت میں ہی نابینا ہو گئے تھے، اس بنا پر ان کی والدہ کو نہایت ملال تھا، خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے کی آنکھوں میں روشنی عطا کر دی ہے اور یہ تمہاری آہ وزاری کا اثر ہے، صبح کو جب اٹھیں تو دیکھا کہ فرزند کی آنکھیں روشن ہو چکی ہیں۔ [ہدی الساری ص: ۶۶۲]

قوت حافظہ

امام بخاریؒ کا حافظہ اس غضب کا تھا کہ ان کا حافظہ ایک کرامت نظر آتا تھا، اسی بنا پر بچپن ہی میں ستر ہزار احادیث ان کو یاد ہو گئی تھیں، جس کتاب پر ایک دفعہ نظر پڑتی پھر کیا مجال کہ حافظہ کی گرفت سے باہر ہو جائے، مشہور مؤرخ ابن عدیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث محفوظ ہیں، امام بخاریؒ کی قوت حافظہ کی مثال بے شمار ہیں، نمونہ مشتے از خروارے کے طور پر چند ذکر کی جاتی ہیں:

☆......[۱] حاشد بن اسماعیل نامی ایک بزرگ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ درس حدیث میں بلا دوات وقلم جاتے تھے، ہم نے پوچھا کہ آپ دوات وقلم کے بغیر پڑھنے آتے ہیں اس سے کیا فائدہ؟ کتنی حدیثیں آپ یاد رکھیں گے، اسی طرح دیگر حضرات نے بھی کہنا شروع کیا، مگر یہ بحر عمیق خاموشی سے ٹال دیا کرتا، اس طرح پندرہ دن بیت گئے مگر جب سولہویں دن بھی کسی نے کچوکے لگائے کہ بلا قلم ودوات چہ فائدہ دارد؟ تو امام صاحب کی قوت حافظہ کو غیرت آئی اور فرمایا کہ آپ لوگوں نے مجھے تنگ کر رکھا ہے، اچھا تم لوگ اپنی لکھی ہوئی احادیث سامنے رکھو اور سنو، میں اپنی یاد کردہ احادیث سناتا ہوں، دونوں کا مقابلہ کرلو، امام بخاری نے تمام حدیثیں صحیح سند

ومتن کے ساتھ سنانی شروع کی، رفقاء درس محو حیرت اور انگشت بدنداں تھے، حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ ہم نے امام بخاریؒ کی یاد کردہ احادیث سے اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کی تصحیح کی، جبکہ ان حضرات کے پاس ہزار احادیث لکھی ہوئی جمع تھیں۔ [ارشاد الساری ص: ۳۳]

☆......[۲] امام بخاریؒ اپنے دور میں قوت حافظہ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے، دور دور تک چرچا اور شہرہ تھا، چنانچہ امام بخاریؒ جب بغداد تشریف لائے تو علماء بغداد نے آپ کا امتحان لینا چاہا، امتحان کی ترتیب یہ بنائی کہ سو احادیث منتخب کیں، پھر ان کی سند ومتن میں خلط ملط کر دیا، ایک حدیث کی سند دوسری حدیث کے ساتھ جوڑ دیں، اور دوسری کی سند کسی اور حدیث کے ساتھ، اسی طرح الفاظ حدیث میں بھی ردوبدل کر ڈالا، اس کے بعد آپ کے سامنے ایک ایک محدث دس دس احادیث پیش کرتے رہے، امام بخاریؒ علمی متانت کے ساتھ فرماتے رہے ''لاأعرفه'' جب سبھی حضرات سنا کر فارغ ہو گئے تو آپ پہلے محدث کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے پہلی حدیث جس سند کے ساتھ سنائی وہ غلط ہے، اور آپ نے سند غلط انداز میں اس طرح سنائی ہے جبکہ صحیح سند اس طرح ہے، پھر اصل سند اور اصل متن سنائی، اسی طرح یکے بعد دیگرے بالترتیب ہر ایک محدث کی حدیث ان کے سنانے کے مطابق دہرائی، اور پھر اصل اور صحیح سند ومتن سنائی، غرض جس

ترتیب سے دس محدث نے سو احادیث سنائی تھی، اسی ترتیب سے ہر ایک روایت دہرا کر صحیح سند و متن کے ساتھ بیان کردی، اس واقعہ پر حافظ ابن حجرؒ نے اپنی حیرت کا اظہار اس انداز میں کیا ہے کہ اس واقعہ میں یہ بات تعجب کی نہیں کہ امام بخاریؒ نے ان احادیث کی اصلاح کی، بلکہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ آپ نے ایک ہی بار سن کر غلط سندیں یاد کرلیں اور پھر بالترتیب ان کا اعادہ کردیا۔ [ارشاد الساری ص: ۳۴]

☆......[۳] امام بخاریؒ زہد و تقویٰ، دیانت و ثقاہت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اور اس نعمت عظمیٰ کی حفاظت بھی فرماتے تھے، ایک دفعہ دریائی سفر میں آپ کے پاس ہزار اشرفی موجود تھیں، ایک شخص بہت ہی قریبی بن گیا، آپ نے بر سبیل تذکرہ اس کو بتلا دیا، اس بندہ کے دل میں کیا شرارت سوجھی کہ کچھ وقفہ کے بعد شور مچانے لگا کہ میرے پاس ہزار اشرفی تھی معلوم نہیں کس نے چرالی، اس نے اس قدر آہ و بکا کی کہ دیگر مسافروں کو یقین ہوگیا اور اس کے ساتھ ہمدردی بھی ہوگئی، چنانچہ طے پایا کہ مسافروں کے سامان کی تلاشی لی جائے کہ چور ہے کون؟ سامان کی تفتیش ہونے لگی، امام بخاریؒ نے آہستہ سے اپنی تھیلی جس میں اشرفیاں تھیں اس کو دریا میں ڈال دیا، ہر ایک کے سامان کے ساتھ امام بخاریؒ کا سامان بھی تلاش کیا گیا مگر کچھ ہوتب تو ملے، جب کسی کے پاس نہ ملی تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا، اور شرمندہ ہو کر کنارے

بیٹھ گیا، جب کشتی دریا کے کنارے پہنچی اور ساحل پر لوگ اتر گئے تو اس نے امام بخاریؒ سے پوچھا کہ آپ کی اشرفی کیا ہوئی؟ فرمایا کہ میں نے سمندر میں ڈال دیا، اس جواب پر وہ حیران رہ گیا کہ اس قدر مال پانی میں کیوں ڈال دیا؟ تو پورے اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ پوری زندگی حدیث کی تدوین و ترتیب میں گذار دی، اور میری ثقاہت و دیانت مشہور و معروف بلکہ ضرب المثل بن چکی ہے، اب اگر وہ اشرفی میرے پاس مل جاتی تو لوگوں کو تمہاری بات پر یقین ہوجاتا اور ان کی نظر میں میں چور بن جاتا، اور میری ثقاہت پر ان کو شبہ ہوجاتا، اسلئے میں نے مالی نقصان برداشت کیا تاکہ ثقاہت پر آنچ نہ آئے۔

[ظفر المحصلین ص: ۱۱۳]

وفات

عید الفطر کی رات ۲۵۶ھ کو سمرقند تشریف لے جاتے ہوئے ہی پیام اجل آگیا اور باسٹھ سال کی عمر میں علم حدیث کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

بخاری شریف

یوں تو امام بخاری کی قلمی کاوشوں کی تعداد ۲۴ رتک پہنچتی ہے، لیکن ان میں سب سے معرکۃ الآراء کتاب بخاری شریف ہے جس کی تکمیل سولہ سال

میں ہوئی۔ اس کی ابتداء کس سن میں ہوئی، کوئی حتمی اور یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، البتہ بعض قرائن کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ سنہ ۲۱۷ھ سے پہلے ہوئی ہو، اوراس لحاظ سے اس وقت آپ کی عمر ۲۲ر سال رہی ہوگی اوراس کی تکمیل سنہ ۲۳۳ھ میں ہوئی ہو جبکہ آپ کی عمر ۳۸ر سال رہی ہو، گویا وفات سے ۲۴ر سال پہلے اس کی تالیف سے فراغت پائی ہو۔

[لامع الدراری ص: ۳۷۔محدثین عظام ص: ۱۲۰]

وجہ تالیف

☆......[۱] علماء نے لکھا ہے کہ ایک دن امام بخاریؒ کے استاد حضرت اسحٰق بن راہویہؒ نے اپنی مجلس میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمام صحیح احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیتا تو کیا ہی اچھا ہوتا، امام بخاریؒ بھی شریک مجلس تھے، آپ کے پاکیزہ اور منور قلب پر یہ خیال آنے لگا کہ کیوں نہ اس خدمت کو انجام دوں؟ چنانچہ استاد کے مشورہ پر آپ نے یہ کتاب تالیف فرمائی۔

☆......[۲] بعض حضرات نے دوسری وجہ لکھی ہے کہ ایک مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، خواب میں دیکھا کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں باادب کھڑے ہیں، پنکھا جھل رہے ہیں اور مکھیاں اڑا رہے ہیں، اس خواب کو بعض معبرین سے

ذکر کیا تو انہوں نے بتلایا کہ آپ کو یہ سعادت حاصل ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سے کذب وافتراء کو دور کریں گے اور کلام نبوت کو غیر کے کلام سے جدا کریں گے، اس خواب کے بعد آپ کو احادیث صحیحہ کے جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، اسی داعیہ کی تکمیل میں آپ نے یہ بے مثال کتاب تالیف فرمائی۔

☆......[۳] بعض حضرات نے یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانہ تک احادیث شریفہ کے بعض مجموعے تیار ہوگئے تھے ان مجموعوں کو دیکھ کر انہوں نے محسوس کیا کہ ان میں ہر قسم کی روایات موجود ہیں جبکہ کوئی ایسا مجموعۂ حدیث ہونا چاہئے جس میں صرف اور صرف احادیث صحیحہ ہوں اس کے بعد داعیہ پیدا ہوا، اور اس داعیہ کی تکمیل میں یہ بے نظیر کتاب لکھی۔

[ارشاد الساری]

کیفیت تالیف

امام بخاریؒ حدیث کی عظمت اور کلام رسول کی محبت کی بنا پر ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے غسل فرماتے، دو رکعت نماز ادا فرماتے، خود امام موصوف کا بیان ہے کہ ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے استخارہ کرکے دو رکعت نماز پڑھتا تھا، اور جب اس کی صحت پر پورا انشراح ہو جاتا اس وقت اس حدیث کو لکھتا، بخاری شریف کے تراجم روضۂ اقدس اور منبر نبوی کے درمیان مسودہ سے

تبییض کر کے لکھا، اور وہاں بھی ہر ترجمے کیلئے دو رکعت ادا کی۔

[مقدمہ فتح الباری، ص: ۶۷۵۔ محدثین عظام، ص: ۱۲۳]

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ پورے زمانۂ تصنیف (سولہ سال) تک روزہ رکھتے رہے مگر کسی کو معلوم نہ ہوسکا۔ [فضل الباری، ج/۱ص/۶۱]

فضائل

بخاری شریف کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اسی سے بخوبی ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ جس کتاب پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ بخاری شریف ہے، کتب احادیث میں سب سے زیادہ اسی کی شرح لکھی گئی، اس کی تعلیقات، متابعات، رجال بخاری پر سب سے زیادہ تحقیقی کارنامے انجام دیئے گئے، دربار رسالت سے بھی اس کی قبولیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ:

ابوزید مروزیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد حرام میں رکن اور مقام کے درمیان سویا ہوا تھا خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ نے فرمایا: "ا لیٰ متی تدرس کتاب الشافعی ولاتدرس کتابی؟" انہوں نے خواب ہی میں پوچھا کہ آپ کی کون سی کتاب ہے تو آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسماعیل کی جامع۔

[ھدی الساری/ ۶۷۶]

حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے امام عبدالوہاب شعرانیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ عالم بیداری میں بخاری شریف پڑھی ہے، اوران آٹھ میں ایک حنفی تھا۔

[فیض الباری، ج/۱ص/ ۲۰۴]

بخاری کے فضائل میں خصوصیات کے تحت چند خصوصیات کو بھی شمار کیا جاتا ہے:

تعدادروایات

امام موصوف کو چھ لاکھ احادیث محفوظ تھیں، ان میں سے احادیث صحیحہ کا انتخاب کر کے بخاری شریف تالیف فرمائی، اس کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، مشہور قول کے مطابق ۷۲۷۵ ہیں اور حذف تکرار کے بعد چار ہزار روایات ہیں۔

[مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ہدی الساری ج/۱ص/ ۶۴۸۔ مقدمہ لامع الدراری ص/ ۳۶۔ تدریب الراوی ج/۱ص/ ۱۰۳]

خصوصیات بخاری

☆......[۱] ہر حدیث کے لکھتے وقت غسل کرتے، استخارہ فرماتے پھر حدیث لکھتے۔ [ہدی الساری/ ۶۷۵]

☆......[۲] دوران تالیف جب کبھی سلسلہ منقطع ہوجاتا تو دوبارہ بسملہ سے شروع فرماتے، چنانچہ متعدد جگہوں پر بسم اللہ مذکور ہے۔

[امدادالباری ر ۱۵۱]

☆......[۳] ہر کتاب کے اختتام پر کوئی نہ کوئی ایسا لفظ ذکر کرتے ہیں جس سے ختم کتاب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اس کا ایک مقصد ختم زندگی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے تاکہ اس کتاب کو موت کے استحضار کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ [فتح الباری، ص:.....مقدمہ لامع ر ۲۳]

☆......[۴] مصائب و پریشانی اور دشمن کے خوف وغلبہ کے وقت ختم بخاری تریاق ہے اور مشائخ کا مجرب ہے۔ [بستان المحدثین: ۱۷۴]

☆......[۵] بخاری شریف کی ثلاثیات اہم ترین خصوصیات میں ہے، بائیس ثلاثیات اس میں موجود ہے جن میں سے بیس کے راوی حنفی ہیں۔

[مقدمہ لامع، ج ر ا ص ر ۳۰۔ فتح الباری ج ر ۲ ص ر ۳۶۹]

☆......[۶] اکثر ابواب میں تعلیقات موجود ہیں جو بطور متابعات وشواہد بکثرت ذکر کرتے ہیں۔

☆......[۷] اغراض ومقاصد بہت ہی اہم ہے۔

☆......[۸] ایک ایک حدیث سے بکثرت مسائل کا استنباط کیا ہے۔

☆......[۹] کتاب کی پہلی اور آخری حدیث میں بہت ہی گہرا ربط ہے۔

☆......[۱۰] تکرار حدیث :استنباط مسائل کے پیش نظر متعدد مقامات پر ذکر فرماتے ہیں، تاہم وہ تکرار اغراض کے اختلاف کی بنا پر ہے۔

☆......[۱۱] ترجمہ کی مطابقت: حدیث کا باب کے ساتھ اکثر مقام پر مطابقت نہایت دقیق اور خفی ہے۔ [ارشادالساری ا ر ۴۵۔ الابواب والتراجم ملاحظہ ہو۔]

☆......[۱۲] بخاری میں تفسیر کا باب بھی نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

☆......[۱۳] کسی سند میں عنعنہ کی وجہ سے تدلیس کا ادنیٰ شائبہ ہو تو دوسری سند لاکر اس کا ازالہ کردیتے ہیں۔*

بخاری میں امام اعظمؒ کی روایت کیوں نہیں؟

علامہ کوثریؒ لکھتے ہیں کہ شیخین نے امام اعظم کے تلامذہ سے روایت تو اخذ کی مگر امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت نقل نہیں کی، امام بخاریؒ کو امام احمد کے ساتھ رہنے کا موقع ملا، مگر ان کے واسطے سے صرف دو روایت درج کی، اسی

* : شراح حدیث نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق بخاری شریف کی خصوصیات وامتیازات بیان فرمائے ہیں، تفصیل کیلئے لامع الدراری ص ر ۲۷ تا ۳۷۔ ارشادالساری ص ر ۴۵۔ اور فتح الباری ملاحظہ فرمائیں۔

طرح امام مسلمؒ، امام بخاری کے شاگرد ہیں، اور انہوں نے تالیف مسلم میں بخاری شریف سے بھرپور استفادہ بھی کیا ہے، لیکن امام مسلم نے امام بخاریؒ کے واسطہ سے کوئی روایت اخذ نہیں کی، اسی طرح امام احمد، امام شافعی کے شاگرد ہیں، اور مؤطا امام مالک ان سے درساً پڑھی ہے، لیکن مؤطا مالک کی صرف پانچ روایت امام شافعی کے واسطہ سے اپنی کتاب میں درج کی، محدثین کے اس طرز تالیف سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ان محدثین اور ائمہ مجتہدین کی روایت کو نقل کرنے والے ہر جانب موجود تھے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں تھا، اس لئے ان محدثین نے صرف ان راویوں کی روایات کو نقل کرنے کا اہتمام فرمایا کہ جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا۔

[حاشیہ شروط الائمہ ص/ ۵۰۔ بحوالہ محدثین عظام]

☆☆☆

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت، ابوالحسن ، نام نامی مسلم بن الحجاج قشیری اور لقب عساکرالدین ہے۔

ولادت

روس میں واقع مشہور شہر نیشاپور میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کی تاریخ ولادت میں مؤرخین کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں سنہ ۲۰۲ھ، بعض کے بقول سنہ ۲۰۴ھ، اور ایک خیال کے مطابق سنہ ۲۰۶ھ ہے، صاحب جامع الاصول نے قول آخر کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض قرائن سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

مناقب

☆......[۱] محدثین کہتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے تمام عمر کسی کی غیبت نہیں کی، اور نہ کسی کو مارا، نہ کسی کو برا بھلا کہا۔

☆......[۲] امام بخاریؒ کے استاذ محمد ابوقریش فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں حفاظ چار ہیں ان میں ایک امام مسلم بھی ہیں۔●

● ایک امام بخاریؒ، ابوزرعہؒ، دارمیؒ اور مسلم بن الحجاج۔ تہذیب التہذیب ج/ ۱۰ ص/ ۱۲۸ سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۳۸۳

☆......[۳] امام مسلمؒ کے ہم عصر احمد بن مسلمہؒ فرماتے ہیں کہ مشہور محدث ابوزرعہؒ اور ابوحاتم رازیؒ، یہ دونوں حضرات صحیح اور ضعیف احادیث کے درمیان امتیاز کرنے میں امام مسلمؒ کو تمام ہم عصر بلکہ بعض موقع پر امام بخاریؒ پر بھی فوقیت دیا کرتے تھے۔●

☆......[۴] امام ابوحاتم رازیؒ نے امام مسلمؒ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا حال ہے؟ فرمایا کہ اللہ پاک نے جنت کو میرے لئے مباح کردیا ہے، جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔

امام بخاریؒ کی خدمت میں

امام بخاریؒ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے، ان سے احادیث حاصل کی، اور ہمیشہ نیازمندی اور تلمیذ کے طور پر پیش آتے رہے، ایک دفعہ ان کے تبحر علمی اور زہد وتقویٰ سے مرعوب ہوکر ان کی پیشانی کا بوسہ دیا اور پھر مزید منفعل ہوکر فرمایا ذرا اپنے قدم بڑھایئے اے محدثین کے سردار، اور حدیث

● وجہ ترجیح یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام بخاریؒ نے اہل شام کی اکثر روایات ان کی کتابوں سے بطور مناولہ حاصل کی ہیں، براہ راست سماع نہیں کیا، اس لئے بسا اوقات ان راویوں میں غلطی ہوجاتی ہے، کیونکہ ایک ہی راوی کا کبھی نام، تو کبھی کنیت، مذکور ہوتی ہے، اور اس میں امام بخاریؒ کو دھوکہ ہوجاتا ہے اور دو راوی خیال کرگذرتے ہیں، جبکہ امام مسلمؒ نے خود سماع کیا ہے اسلئے اس قسم کا مغالطہ نہیں ہوتا۔ [بستان المحدثین/ ۲۸۰۔ سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۳۸۳]

کے ماہر! تاکہ میں بوسہ لے لوں، اس سے اندازہ لگاسکتے ہیں کہ کس درجہ ادب واحترام تھا، بلکہ جب خلق قرآن کے مسئلہ میں امام بخاریؒ اور محمد بن یحیٰ ذہلیؒ کا اختلاف بڑھا، اور امام ذہلیؒ نے اعلان کردیا کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل ہو وہ ہماری مجلس سے چلا جائے، یہ سن کر امام مسلم نے ان سے سنی ہوئی روایات واپس کردیں اور پھر ان کے درس میں کبھی شریک نہیں ہوئے۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۴۸۷]

وفات

آپ کی وفات کا واقعہ بھی آپ کے علمی لگن کو واضح کرتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے بقول ایک دن درس حدیث کے درمیان جب آپ سے ایک حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو اس وقت وہ حدیث آپ کو یاد نہ آسکی، گھر آکر تلاش شروع کردی، حسن اتفاق کہ اہل خانہ نے آپ کے سامنے کھجور کا ٹوکرا رکھ دیا، تلاش وجستجو میں اس قدر منہمک ہوئے کہ کھجور کے کھانے کی مقدار کی طرف ذہن نہیں گیا، حدیث تلاش کرتے کرتے وہ ٹوکرا خالی ہوگیا، بغیر قصد وارادہ کے کھجور زیادہ مقدار کھالینے سے ہاضمہ خراب ہوا اور پھر وہی موت کا سبب بن گیا، ۲۴/ رجب ۲۶۱ھ کو اتوار کے دن شام کے وقت علم حدیث کا یہ آفتاب غروب ہوا، اور پیر کے دن نصیر آباد کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۳۸۳]

وجہ تالیف

☆......[۱] امام بخاریؒ کے مجموعۂ احادیث (بخاری شریف) کو دیکھ کر شوق ہوا کہ اس قسم کی عظیم خدمت میں ہمیں بھی شامل ہونا چاہئے، چنانچہ اپنے خاص نہج کے مطابق اس کی تالیف فرمائی۔ [ظفر المحصلین ر ۱۴۱]

☆......[۲] آپ کے ہم عصر اور رفیق خاص احمد بن مسلمہؒ نے درخواست پیش کی کہ حدیث کی کوئی ایسی کتاب تالیف فرمادیں جس میں اسانید کے ساتھ احادیث صحیحہ ہوں، نیز دینی احکام ومسائل، ترغیب وترہیب پر مشتمل روایات بھی ہوں، چنانچہ ان کی درخواست پر یہ تصنیف فرمائی۔

☆......[۳] امام مسلمؒ نے جب دیکھا کہ ہر قسم کی روایات کو بیان کرنے کا رواج بڑھ رہا ہے تو آپ کو خیال آیا کہ احادیث صحیحہ کا ایک ایسا مجموعہ امت کے سامنے پیش کردیا جائے جس کو وہ لائحہ عمل بناسکیں اور ان کے ہاتھوں میں صحیح احادیث کا ذخیرہ آجائے۔ [مقدمۂ مسلم]

زمانۂ تالیف

حتمی اور یقینی طور پر اس بات کی تعیین نہیں کی جاسکتی کہ کس سن میں اس کی ابتدا ہوگی، اور کب اس کی تکمیل ہوئی، البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ وفات سے

بہت پہلے اس کی تکمیل کر چکے تھے۔

چنانچہ امام موصوف کے شاگرد خاص، ابواسحٰق ابراہیم بن محمد نیشاپوریؒ جن سے مسلم شریف کی روایات کا سلسلہ ہمارے دیار میں قائم ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے ہمارے سامنے اس کتاب کی قرأت سے ۲۵۷ھ رمضان میں فراغت پائی، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی تکمیل سے موت سے بہت پہلے فارغ ہوچکے تھے۔

البتہ اس کی تعیین بآسانی ہوجاتی ہے کہ انہوں نے کتنی مدت میں یہ تالیف فرمائی، چنانچہ امام مسلمؒ کے ہم عصر محدث احمد بن مسلمہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی ترتیب میں پندرہ سال میں شریک رہا۔

فضائل

قاضی عیاض نے اپنی مشہور کتاب ''الماع'' میں ابومروان سے نقل کیا ہے کہ میرے بعض شیوخ، صحیح مسلم کو بخاری شریف پر فوقیت دیا کرتے تھے، اسی طرح علامہ ابن حزم ظاہری بھی مسلم کو بخاری پر ترجیح دیا کرتے تھے۔

شیخ ابوعلی زاغوانیؒ کو بعض ثقہ لوگوں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کس چیز سے نجات ہوگئی، تو چند اجزاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان اجزاء کے صدقے میں میری نجات ہوگئی، دیکھنے والے نے جب بیدار ہوکر

ان اجزاء کو دیکھا تو وہ مسلم شریف کے اجزاء تھے۔

حافظ ابو علی نیشاپوریؒ نے فرمایا کہ آسمان کے نیچے سوائے قرآن مجید کے اور کوئی کتاب، مسلم سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔ [سیر اعلام النبلاء/ ۳۸۴۔ محدثین عظام/ ۱۴۹]

تعداد روایات

☆......[۱] خود امام مسلمؒ کا بیان ہے کہ تین لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے چار ہزار احادیث لی ہیں۔ [حذف مکررات کے بعد]

☆......[۲] احمد بن مسلمہؒ کے بقول تعداد روایات مکررات کے ساتھ بارہ ہزار، اور ابو حفص میانجیؒ کے بقول آٹھ ہزار، حافظ ابن حجر نے قول ثانی کو رد کیا ہے، ممکن ہے شمار کے معیار میں فرق کی بنا پر تعداد میں یہ فرق واقع ہوا ہو، مصر کے مشہور محدث شیخ محمد فؤاد عبد الباقی کے شمار کے مطابق حذف مکررات کے بعد تین ہزار بتیس روایات ہیں۔

نسخۂ مسلم

برصغیر میں مسلم شریف کا جو نسخہ مروج ہے اس کے راوی امام مسلمؒ کے شاگرد خاص شیخ ابو اسحٰق ابراہیم محمد بن سفیان نیشاپوریؒ (متوفی ۳۰۸ھ) ہیں اس کے علاوہ ایک اور نسخہ ابو محمد احمد بن قلانسی سے بھی رائج ہے مگر اس کا سلسلہ

حدود غرب سے آگے تجاوز نہ کر سکا۔

☆...... **فائدہ**: شیخ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیانؒ یہ مشہور محدث اور فقیہ ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ یہ حنفی ہیں، گویا مسلم شریف کی روایات حنفی محدث کی سند ہی سے عام اور مشہور ہے۔ [علم حدیث اور ابن ماجہ/ ۲۷ حاشیہ]

خصوصیات مسلم

مسلم شریف کی ابتدا مقدمہ سے ہوئی ہے اور اس کی تکمیل کتاب التفسیر پر ہوئی، جامع جن مضامین پر مشتمل ہوتا ہے وہ سارے مضامین اس میں موجود ہیں۔

☆......[۱] ضبط تفاوت لفظ:

اگر کوئی حدیث دو راوی سے مختلف الفاظ میں مروی ہو تو اما مسلمؒ ان میں سے جس شیخ کے الفاظ نقل کرتے ہیں اس کی تعیین ''واللفظ لہ'' کہہ کر کر دیتے ہیں، جبکہ امام بخاریؒ اس کا التزام نہیں کرتے۔

☆......[۲] ازالۂ التباس:

سند میں کسی راوی کا نام مبہم اور مشتبہ ہو تو اس کی وضاحت کر دیتے ہیں البتہ بطور احتیاط ''ھو'' کہہ کر تشریح کرتے ہیں، تاکہ استاد کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو انہوں نے نہ کہی ہو۔

☆......[۳] حدثنا، اخبرنا میں فرق:

ان دونوں میں فرق کوملحوظ رکھتے ہیں، ''حدثنا'' اس مقام پر لاتے ہیں جہاں شیخ نے تلاوت کی ہواور شاگرد نے سنی ہو، اور ''اخبرنا'' اس مقام پر ذکر کرتے ہیں جہاں شیخ کے سامنے شاگرد نے پڑھی ہو، جبکہ امام بخاریؒ یہ فرق ملحوظ نہیں رکھتے۔

☆......[۴] قلت آثار وتعلیقات:

مسلم میں صرف احادیث مرفوعہ مذکور ہیں، موقوف روایات شاذ ونادر ہیں، برخلاف بخاری شریف کے، اس میں موقوف روایات بکثرت موجود ہیں۔

☆......[۵] مقدمۂ مسلم:

ابتداء، حدیث سے نہیں بلکہ اصول حدیث سے کی ہے گویا آپ نے اصول حدیث کی بنیاد قائم کی ہے۔

☆......[۶] ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ، ایک باب سے متعلق تمام احادیث، تمام سندیں، ایک حدیث کے مختلف الفاظ کونہایت حسن ترتیب کے ساتھ ایک مقام پر جمع فرمادیا ہے، جس سے تمام الفاظ مختلفہ اور مختلف طرق کی تلاش آسان ہوجاتی ہے۔

☆......[۷] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص حضرت

ہمام بن منبہؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حاصل کردہ روایات کولکھ لیا تھا، جوصحیفۂ ہمام بن منبہ کے نام سے مشہور ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر اس قسم کے مجموعہ سے متعدد روایات نقل کی جائیں، تو بوقت روایت ہر حدیث کیلئے تجدید اسناد کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ یا متحد الاسناد ہونے کی وجہ سے، بعد کی دوسری حدیثیں اسی پہلی اسناد پر محمول ہوں گی؟ اس میں اصولیین اور محدثین کا اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ تجدید اسناد کی حاجت نہیں جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر حدیث کو بقید اسناد روایت کرنا لازم ہے، چنانچہ امام مسلم کا یہی نظریہ ہے اور اپنے اس نظریہ کے مطابق مسلم شریف میں ہر جگہ سند ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف کتاب الطہارۃ ج/۱ ص/ ۱۱۹و ۱۲۴

☆......[۸] فذکر احادیث منھا:

جب حضرت ہمام بن منبہؒ کی روایت نقل کرنی ہو تو یہ الفاظ اس لئے نقل کرتے ہیں تاکہ قاری کو معلوم ہوجائے کہ صحیفہ کی جو حدیث یہاں بیان کی جارہی ہے صرف وہی حدیث نہیں سنائی تھی بلکہ اور بھی سنائی تھی جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

☆......[۹] اس کتاب کی تبویب امام مسلم نے خود نہیں کی بلکہ (رائج نسخہ پر) شارح مسلم امام نوویؒ نے ابواب مقرر کئے ہیں۔

●......●......☆☆☆☆......●......●

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعیسیٰ ، نام نامی محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک سلمی ہے۔

ولادت: امام موصوف ۲۰۹ھ میں مقام ترمذ میں پیدا ہوئے ، ترمذ ایک قدیم شہر ہے جو دریائے جیحون کے ساحل پر واقع ہے اور روس میں شامل ہے۔ ٭

وفات: آپ کا انتقال مشہور روایت کے مطابق ۲۷۹ھ دوشنبہ کی رات کو ہوا، ستر سال عمر تھی۔ [محدثین عظام/ ۱۷۵]

مناقب

☆......[۱] آپ بڑے متقی اور عابد و زاہد تھے، خوف الٰہی کا یہ عالم تھا کہ برسوں روتے رہے، جس سے آپ کی بینائی چلی گئی۔

☆......[۲] امام بخاریؒ امام ترمذی کے استاذ ہیں مگر پھر بھی فرمایا: " انتفعتُ بک اکثر مما انتفعتَ بی " میں نے تم سے اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا جتنا تم نے ہم سے فائدہ اٹھایا۔

٭ ترمذ: اس کے تین ضبط ہیں: تِرمِذ بکسر المیم ، تِرمَذ بفتح المیم ، تِرمُذ بضم المیم ، مشہور بالکسر ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب ذہین شاگرد استاد سے سوال کرتا ہے تو اس کی نگاہ دیگر علوم کی طرف جاتی ہے اور بہت سی علمی باریکی روشن ہو جاتی ہے، اس لحاظ سے امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ہمیں تم سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ اس بنا پر تمام محدثین ان کو امام بخاریؒ کا خلیفہ کہتے تھے۔

[تہذیب التہذیب ۹/ ۳۸۹۔ محدثین عظام/ ۱۷۷]

☆......[۳] امام ترمذیؒ کیلئے ایک بات یہ بھی باعث فخر ہے کہ خود امام بخاریؒ نے ان سے روایت اخذ کی ہے۔

قوت حافظہ

☆......[۱] امام ترمذیؒ عجیب قوت حافظہ کے مالک تھے، مشہور ہے کہ ایک دفعہ امام ترمذی اونٹ پر سوار ہو کر حج کیلئے جا رہے تھے، ایک مقام پر انہوں نے پہنچ کر سر جھکا لیا، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ کیا یہاں کوئی ایسا درخت نہیں جس کی شاخ اس قدر لٹکتی ہو کہ بغیر سر جھکائے جانا مشکل ہو؟ رفقائے سفر نے بتلایا کہ یہاں تو کوئی ایسا درخت نہیں، امام موصوف نے فرمایا کہ تحقیق کرلو کہ یہاں پہلے کوئی درخت تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے اور مجھے اب روایت بیان کرنا مناسب نہیں، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعتاً اس قسم کا درخت تھا، لیکن

چونکہ مسافروں کو اس درخت کی وجہ سے تکلیف ہوا کرتی تھی اس لئے اسے کاٹ دیا گیا، اس واقعہ سے امام موصوف کے محیر العقول قوت حافظہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ [درس ترمذی/ ۱۳۲]

☆......[۲] قوت حافظہ کا یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ کسی شیخ کے دو جزء کے بقدر احادیث کسی اور واسطہ سے سنی تھیں، حسن اتفاق کہ اس شیخ سے ملاقات ہوگئی تو اِنہوں نے براہ راست سماع کی درخواست کی، اُنہوں نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے میں پڑھتا ہوں تم اس کو ملاتے جاؤ، عجیب بات یہ ہوئی کہ وہ دونوں جزء رکھنا بھول گئے تھے اور دوسرے اجزاء رکھ لئے تھے، اب جب شیخ نے روایات سنانا شروع کیا تو امام ترمذیؒ سادے کاغذ پر ہاتھ رکھ کر اس طرح دیکھتے گئے گویا شیخ کی احادیث کو ملا رہے ہیں، شیخ کو اندازہ ہوگیا کہ یہ تو سادے کاغذ سے تقابل کر رہے ہیں ناراض ہوئے، امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ آپ تحمل سے کام لیں، جس قدر روایات آپ نے سنائی ہیں سب مجھے یاد ہیں، چنانچہ تمام سنادیں، شیخ کو خیال گذرا کہ آپ کو پہلے سے یاد ہوں گی، پوچھنے پر امام موصوف نے عرض کیا کہ آپ دوسری احادیث سنایئے، میں وہ بھی سنادوں گا، چنانچہ شیخ نے اپنی غرائب الحدیث سے چالیس حدیثیں سنائیں جن کو امام ترمذیؒ نے فوراً ہی دہرا دیا، تب شیخ کو ان کی قوت حافظہ کا یقین ہوگیا۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۶۱۲۔ بستان المحدثین/ ۱۸۵]

تین ہم نام بزرگ

خیال رہے کہ ترمذی نام کے تین بزرگ گذرے ہیں:

[۱] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ صاحب سنن۔

[۲] ابوالحسن احمد بن حسن، یہ ترمذی کبیر کے نام سے مشہور ہیں، یہ امام بخاریؒ اور ابن ماجہ اور صاحب سنن ترمذی کے استاذ ہیں۔

[۳] امام حکیم ترمذی، مشہور صوفی اور مؤذن تھے۔ جنہوں نے نوادر الاصول نامی حدیث کی کتاب لکھی ہے جس میں اکثر روایات ضعیف اور غیر معتبر ہیں۔ [بستان المحدثین/ ۱۰۱۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی/ ۱۴۵]

ترمذی شریف

جامع ترمذی فن حدیث کی معروف ومشہور کتاب ہے، صحاح ستہ میں شامل ہے، تدریسی حیثیت سے بھی ہر زمانہ میں اس کی اہمیت رہی ہے۔

وجہ تالیف

امام ترمذیؒ نے جب محسوس کیا کہ فقہاء کرام کے مسائل کو دلائل سے مؤید کردیا جائے تاکہ ان حضرات کی کاوشوں اور مسائل پر شکوک وشبہات کا کسی کو

موقع نہ ملے، چنانچہ ہر فقیہ کے مستدل کو جداگانہ باب میں ذکر کیا۔ البتہ ایک موضوع سے متعلق تمام احادیث کا احاطہ نہیں کرتے، بلکہ وہ روایات ذکر کرتے ہیں جو دوسرے محدثین نے تخریج نہیں کی ہیں اور باقی احادیث کی طرف "**وفی الباب عن فلان و فلان**" کہہ کر اشارہ کرتے ہیں، نیز امام نسائی کی طرح علتوں کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

فضائل

☆......[۱] امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو میں نے علماء حجاز، علماء خراسان، علماء عراق کے سامنے پیش کیا، ہر ایک نے پسند کرتے ہوئے خراج تحسین سے نوازا، اب یہ کتاب اس درجہ کی ہے کہ جس گھر میں یہ کتابِ حدیث ہو گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کلام فرما رہے ہیں۔

[محدثین عظام/ ۱۸۱۔ مقدمہ عرف الشذی/ ۴۴]

☆......[۲] حافظ محمد بن طاہر مقدسیؒ نقل کرتے ہیں کہ ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاریؒ کے سامنے ہرات میں امام ترمذیؒ اور ان کی کتاب کا تذکرہ ہوا، تو انہوں نے برجستہ کہا کہ ترمذی میرے نزدیک بخاری اور مسلم سے زیادہ انفع ہے کیونکہ ان دونوں سے کوئی ماہر فن ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جبکہ ترمذی سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ [مقدمہ عرف الشذی/ ۴۴]

☆......[۳] شیخ ابراہیم البیجوریؒ ہر طالب علم کو یہ مشورہ دیا کرتے تھے کہ اس کا مطالعہ کریں، کیونکہ یہ کتاب احادیث فقہی فوائد اور اسلاف کے مذاہب کا جامع ترین گلدستہ ہے، لہٰذا یہ مجتہد کیلئے بھی کافی ہے اور مقلد کو بھی بے نیاز کرتی ہے۔ [ظفر المحصلین/ ۱۷۴۔ مقدمہ عرف الشذی/ ۴۵]

تعداد روایات

۳۹۶۵/ روایات ہیں لیکن مشہور محدث احمد شاکرؒ ۱۹۸۲ تعداد نقل کرتے ہیں۔

خصوصیات ترمذی

☆......[۱] حسن ترتیب، اس کی ترتیب نہایت ہی عمدہ ہے، کیونکہ بیک وقت یہ جامع بھی ہے اور سنن بھی۔

☆......[۲] عدم تکرار، یعنی اس میں روایات مکرر نہیں ہیں۔

☆......[۳] بیان مذاہب، یعنی ہر باب میں فقہاء کے مذاہب بیان کئے ہیں۔

☆......[۴] فقہائے کرام کے بنیادی مستدلات جمع فرما دیئے ہیں۔

☆......[۵] حدیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کو واضح کرتے ہوئے

سند کی کمزوری کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔

☆......[۶] ہر باب میں ایک یا دو تین حدیث ذکر کرتے ہیں، جن کی دوسرے ائمہ نے تخریج نہیں کی، لیکن وفی الباب کے بعد عن فلان عن فلان کہہ کر ان احادیث کی طرف اشارہ بھی کر دیتے ہیں، جو اسباب میں آسکتی ہیں۔

☆......[۷] مشتبہ راویوں کا تعارف بھی کراتے ہیں، مثلاً راویوں کے نام والقاب اور کنیت کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

☆......[۸] اس کے تراجم وابواب نہایت سہل ہیں، اور ترتیب اس قدر عمدہ ہے کہ حدیث تلاش کرنا نہایت آسان ہے۔

☆......[۹] اس کی تمام احادیث کسی نہ کسی فقیہ کے یہاں معمول بہا ہیں، سوائے دو حدیث کے۔

☆......[۱۰] تدریسی حیثیت سے بطور خاص ہمارے اکابر کے یہاں اس کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ حدیث کے جملہ تفصیلی مباحث سب سے زیادہ اس میں بیان کئے جاتے ہیں۔ [درس ترمذی ۱/ ۱۳۵]

●......●......☆☆☆☆......●......●

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوداود نام نامی سلیمان بن اشعث بن اسحٰق بن بشر بن شداد سجستانی ہے۔

ولادت باسعادت: اپنے آبائی شہر سجستان میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۵۶۸]

سجستان: یہ معرب ہے سیستان کا، ایک قول کے مطابق سندھ ہرات کے درمیان ایک خطہ کا نام ہے، جو قندھار سے متصل ہے، ابن خلکان کے بقول بصرہ کے قریب ایک قریہ کا نام ہے، مگر محققین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ہے، اول قول ہی صحیح اور محقق ہے۔ اس وقت کے جغرافیائی نظام کے مطابق یہ خطہ ملک ایران میں شامل ہے۔ [الشرح الشمیری ۱/ ۱۴-سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۵۷۹]

مناقب

☆......[۱] علامہ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوداودؒ شکل وصورت اور فضائل وشمائل میں امام احمد بن حنبلؒ کے مشابہ تھے، امام احمدؒ امام

وکیعؒ کے مشابہ تھے، اور امام وکیعؒ سیدنا سفیانؒ کے مشابہ تھے، اور حضرت سفیان امام منصورؒ کے مشابہ تھے، اور امام منصورؒ ابراہیم نخعیؒ کے، اور ابراہیم نخعی حضرت علقمہؒ کے اور حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

☆......[۲] مشہور ہے کہ آپ کے کرتے کی ایک آستین کشادہ اور ایک تنگ ہوتی تھی، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا ایک تو کتب حدیث کیلئے کشادہ کر رکھی ہے اور دوسری کو کشادہ کرنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا کشادہ رکھنا اسراف ہوگا۔

☆......[۳] موسیٰ ہارونؒ نامی ایک بزرگ تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ابوداؤد دنیا میں علم حدیث کیلئے اور آخرت میں جنت کیلئے ہوں گے۔

☆......[۴] حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے امام ابوداود سے گذارش کی کہ آپ اپنی زبان مبارک باہر نکالیں، ان کے باہر نکالنے پر انہوں نے زبان مبارک کو بوسہ دیا اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ آپ اس زبان سے احادیث مبارکہ بیان کرتے ہیں۔ [تہذیب التہذیب ۴/ ۱۷۲۔ بستان المحدثین/ ۱۸۱]

☆......[۵] امام ابوداود کا ایک نمایاں وصف تلاش وجستجو بھی ہے، چنانچہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں کے مشہور کنواں ''بئر بضاعہ'' کے پاس تشریف لے گئے، اور خود ہی اس کو ناپا، اور فرمایا کہ ۶/ ہاتھ

عرضاً ہے، پھر اس کے نگراں سے پوچھا کہ اس کا پانی کہاں تک رہتا ہے تو اس نے بتلایا کہ جب پانی بڑھتا ہے تو کمر تک ورنہ گھٹنہ تک رہتا ہے۔

ابوداود شریف

وجہ تالیف

علامہ ابن قیمؒ کے بقول اہل علم میں ایک جماعت ایسی تھی جس نے جمعِ احادیث کی طرف توجہ کم کی اور استنباط واستخراج پر پوری توجہ مرکوز کردی، جس سے بعض لوگوں کو اعتراض کا موقع ملا کہ ان حضرات کو نہ تو احادیث سے مناسبت ہے اور نہ ہی واقفیت، اور ایک جماعت وہ تھی جو صرف جمع احادیث میں مصروف رہتی، استنباط مسائل سے کوئی سروکار نہیں رکھا، ایسے حالات میں امام ابوداودؒ نے ضرورت محسوس کی کہ فن حدیث کی کوئی ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں ان احادیث کا احاطہ ہو جن سے ائمہ کرام نے اپنے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے، اسی ضرورت کی تکمیل میں آپ نے یہ تصنیف فرمائی۔ [محدثین عظام/ ۱۶۲۔ الدر المنضود ۱/ ۴۲]

امام موصوف نے حسن سے کم درجہ کی احادیث اس میں نہیں لی ہے، اس لئے صحیحین کے بعد تمام کتابوں میں زیادہ معتبر ہے۔ [محدثین عظام/ ۱۶۳]

زمانہ تالیف

ابوداود شریف کی ابتداء کب ہوئی؟ اوراس سے فراغت کب پائی؟ حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، تاہم امام ابوداوؒد نے اس کی فراغت کے بعد اپنے استاد مکرم امام احمدؒ کی خدمت میں پیش کیا جبکہ امام احمدؒ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی، اس سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ ۲۴۱ھ سے پہلے فارغ ہو چکے تھے اور خود امام ابوداود کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی، اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی تالیف سے فراغت کے وقت آپ کی عمر کم از کم انتالیس سال رہی ہوگی۔

فضائل

امام موصوف کے شاگرد رشید حافظ محمد بن مخلدؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ کتاب محدثین کے سامنے آئی تو ان کیلئے قرآن کی طرح قابل اتباع بن گئی۔

[سیراعلام النبلاء ۱۰/ ۵۷۳]

یحییٰ بن زکریا بن یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ اصل اسلام کتاب اللہ ہے، اور فرمانِ اسلام سنن ابوداود ہے۔

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی مشہور کتاب ''صحیح ابن السکن'' کے مؤلف حافظ سعید بن السکنؒ کے پاس بہت سے حضرات پہنچے اور عرض کیا

کہ اب تو کتب احادیث کا ذخیرہ ہو رہا ہے اگر آنجناب ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کردیں تو ہم اس پر ہی اکتفا کریں۔ اس پر شیخ سعید بن سکنؒ اٹھے، اندر گئے اور چار بڑے دفتر لاکر رکھ دیئے اور فرمایا کہ یہ اسلام کی بنیادیں ہیں، وہ چار دفتر؛ بخاری، مسلم، ابوداود اور نسائی کی شکل میں تھے۔

تعداد روایات

امام موصوف کے سامنے پانچ لاکھ احادیث کا ذخیرہ موجود تھا اس میں سے چار ہزار آٹھ سو احادیث منتخب فرما کر یہ مجموعہ تیار کیا۔

نسخہ

امام موصوف کی یہ کتاب چار واسطوں سے زیادہ مشہور ہوئی، غیر منقسم ہندوستان میں جو نسخہ رائج ہے وہ ابوعلی محمد بن احمد بن عمرو لولوی بصریؒ کا ہے، جن کی وفات ۳۳۱ھ میں ہوئی، اس نسخہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ امام ابوداود نے محرم ۲۷۵ھ میں سب سے آخر میں املاء کرایا تھا، اسی آخری سال انہوں نے سماع کیا تھا۔

چار احادیث خلاصۂ دین

امام ابوداود نے پانچ لاکھ احادیث سے چار ہزار آٹھ سو احادیث منتخب

فرمائیں، پھر فرمایا کہ ان میں صرف چار احادیث انسان کے عمل کیلئے کافی ہیں:

☆...... (۱) **انما الاعمال بالنیات.**

☆......(۲) **من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه.**

☆...... (۳) **لایکون المؤمن مؤمنا حتی یرضی لأخیه ما یرضی لنفسه .**

☆......(۴) **الحلال بین والحرام بین .... الخ**

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ پورے دین پر عمل کرنے کیلئے یہ چاروں حدیثیں کافی ہیں، وہ اس طرح کہ اول حدیث تصحیح عبادت پر، دوسری حدیث تضییع اوقات سے حفاظت اور عمر کے صحیح استعمال پر، اور تیسری حدیث حقوق العباد پر، اور چوتھی حدیث مشتبہ امور سے بچنے پر مشتمل ہے۔[بستان المحدثین ر ۱۸۲]

وفات:

امام موصوف نے بصرہ کو اپنا وطن بنالیا تھا کیونکہ حدیث کیلئے اسی شہر کو زیادہ موزوں سمجھا، ۱۶؍شوال ۲۷۵ھ کو تہتر سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا، آپ بصرہ میں مدفون ہوئے۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۵۷۹]

خصوصیات ابوداود

فقہی ترتیب پر کتاب الطہارۃ سے شروع ہوکر کتاب الادب پر ختم ہوئی ہے۔

☆......[۱] ابوداود شریف کی اہم خصوصیت ''قال ابوداوٗد'' ہے، جس کے ذریعہ کبھی راویوں کے اختلاف کو بیان کرتے ہیں اور کبھی اختلاف حدیث کے فرق کو، اور کبھی صرف تعدد طرق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

☆......[۲] ایک ہی سند میں کبھی مختلف اسانید کو نقل کردیتے ہیں، اسی طرح کبھی متن میں مختلف متون کو جمع کردیتے ہیں، پھر ان میں سے ہر حدیث کے الفاظ کو علیحدہ علیحدہ بیان فرماتے ہیں۔

☆......[۳] کبھی کبھی ایک ترجمۃ الباب کے بعد دوسرا ترجمہ قائم کرتے ہیں جس کا مقصد روایات کے درمیان جمع وتطبیق اور دفع تعارض کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔

☆......[۴] جس حدیث کی دو سند ہو، البتہ ایک سند کے راوی اقدم ہوں اور دوسرے کے احفظ، تو اقدم کی روایت نقل کرتے ہیں۔

☆......[۵] کبھی ایک باب کے تحت جب چند روایت نقل کرتے ہیں تو اس سے کوئی خاص فائدہ یا کوئی خاص نقطۂ نظر کو بیان کرنا ہوتا ہے۔

☆......[۶] جب ایک راوی پر دو سندیں جمع ہوں، ان میں ایک ”**حدثنا**“ کے ساتھ اور دوسری ”**عنعنه**“ کے ساتھ ہو تو ”**حدثنا**“ والی روایت پہلے ذکر کرتے ہیں۔

☆......[۷] کبھی ترجمۃ الباب اس انداز میں قائم کرتے ہیں جس سے خود ترجمہ کے الفاظ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

☆......[۸] کسی بھی ایسے راوی کی روایت نقل نہیں کی جو ان کے نزدیک متروک ہو۔

☆......[۹] سند حدیث پر ایسی بحث جس میں ایسے اہم سوالات پیدا ہوجاتے ہیں جن کو حل کرنے کیلئے شارحین کو بہت تحقیق کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ [الدر المنضود ۵۱۔ ۴۹......محدثین عظام/ ۱۶۵]

●......●......☆☆☆☆......●......●

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن، نام نامی احمد بن شعیب بن علی یحییٰ بن سنان بن دینار نسائی ہے۔

”نسأ“ خراسان کا ایک شہر ہے جو شہر مَرو کے قریب ہے اور روس میں واقع ہے، اسی شہر میں آپ کی ولادت سنہ ۲۱۴ھ میں ہوئی، اسی شہر کی طرف منسوب ہوکر ”نسائی“ کہلاتے ہیں۔

مناقب

☆......[۱] زہد وتقویٰ میں آپ ضرب المثل تھے، صوم داؤدی کے پابند تھے۔

☆......[۲] مشائخ مصر بیان کیا کرتے تھے کہ آپ کے دن ورات کا اکثر حصہ عبادت میں گذرتا اور اکثر حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے۔

☆......[۳] امراء اور حکام کی محفلوں سے ہمیشہ گریز کیا کرتے تھے۔

☆......[۴] سنت کی اشاعت، بدعت سے نفرت آپ کی خاص صفت تھی۔

☆......[۵] حقوق کی ادائیگی میں بہت محتاط تھے، چار بیویاں اور دو

باندی تھیں۔

☆......[۶] حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت کے بھی مالک تھے، چہرہ نہایت روشن رنگ نہایت سرخ وسفید، بڑھاپے میں بھی تروتازہ نظر آتے، عمدہ قیمتی لباس زیب تن فرماتے۔

علمی منقبت

امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دارقطنیؒ سے سنا کہ امام نسائیؒ جرحِ رواۃ، فن حدیث، فن تنقید اور احتیاط میں اپنے معاصرین سے کہیں فائق تھے۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی کے مقابلہ میں امام نسائی علل حدیث اور فن اسماء الرجال میں زیادہ ماہر تھے، اور امام بخاریؒ وابوزرعہؒ کے ہمسر تھے۔ [محدثین عظام/ ۴۴]

نسائی شریف

وجہ تالیف

امام موصوف نے سب سے پہلے حدیث کی ایک اہم کتاب سنن کبریٰ لکھی، جب مقام رملہ کے امیر نے دیکھی تو حضرت سے پوچھا کہ کیا اس کی تمام احادیث صحیح ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ صحیح بھی ہے اور حسن بھی، بلکہ

ہر قسم کی احادیث اس میں موجود ہیں، اس پر اس حاکم نے عرض کیا کہ ایک ایسی کتاب لکھئے جس کی تمام احادیث صحیح ہوں، ان کی اس درخواست پر امام موصوف نے سنن کبریٰ سے احادیث صحیحہ منتخب کی اور اس کا خلاصہ تیار کیا جس کا نام مجتبیٰ رکھا، اسی کو سنن صغریٰ کہا جاتا ہے اور آج کل سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے۔ [بستان المحدثین/ ۱۸۹]

فضائل

☆......[۱] محدث ابن الاحمرؒ نے بعض مکی شیخ کا قول نقل کیا ہے، کہ یہ اس فن کی تمام مصنفات سے افضل ہے اور اسلام میں اس کے مانند کوئی کتاب نہیں، تاہم یہ فضیلت صحیحین کے علاوہ ہے۔

☆......[۲] محدث ابوالحسن معافریؒ (متوفی ۴۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کے مجموعۂ احادیث پر نظر ڈالو گے تو اندازہ ہوگا کہ امام نسائی نے جس کی تخریج کی ہوگی وہ دوسروں کی بہ نسبت صحت سے زیادہ قریب ہوگی۔ [محدثین عظام/ ۴۲]

تعداد روایات

سنن نسائی کی کل روایات/ ۱۵۷۶۱ ہے۔

نسخہ

اس کے راوی ابن السنی ہیں، ان کی کنیت ابوبکر، نام احمد بن محمد بن اسحٰق ہے، آپ کی مشہور کتاب عمل الیوم واللیلہ ہے۔ [محدثین عظام/ ۲۱۱]

وفات

امام نسائیؒ فلسطین سے ۱۸/میل کے فاصلہ پر واقع مقام رملہ ۳۰۲ھ میں منتقل ہوگئے تھے اور چونکہ وہاں بنوامیہ کی طویل حکومت کے سبب خارجیوں کا چرچا زیادہ تھا، اس لئے ۳۰۲ھ میں دمشق تشریف لے گئے، اور وہاں حضرت علی کے مناقب میں ایک کتاب تصنیف فرمائی، اس کے بعد آپ کی خواہش یہ ہوئی کہ اس کتاب کو جامع دمشق میں سنائیں، کیونکہ وہاں کے لوگ سلطنت بنی امیہ کی وجہ سے خوارج کی طرف مائل تھے، ابھی آپ نے کچھ حصہ سنایا ہی تھا کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کچھ لکھا ہے؟ فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہی کافی ہے کہ ان کو نجات مل جائے، لہٰذا ان کے کیا مناقب بیان کروں، بعض کہتے ہیں کہ یہ کلمہ بھی کہا کہ میرے نزدیک ان کے مناقب بیان کرنا ٹھیک نہیں ہوگا، مزید کچھ باتیں عرض کیں، جس سے لوگوں

نے تشیع کی طرف منسوب کیا اور لاتیں مارنا شروع کیں، آخر اتنا مارا کہ آپ نیم جان ہوگئے، خادم ان کو اٹھا کر گھر لائے، انہوں نے فرمایا کہ مجھے ابھی مکہ مکرمہ لے چلو، وہاں جا کر مروں یا راستہ میں مروں، غرض کہ مکہ پہنچ کر انتقال ہوا اور صفا مروہ کے درمیان مدفون ہوئے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ راستہ میں ہی انتقال ہوا، وہاں سے مکہ لے جا کر تدفین ہوئی۔ تاریخ وفات ۱۳/صفر المظفر ۳۰۳ھ ہے۔ [بستان المحدثین/ ۱۸۹۔ سیر اعلام النبلاء ۱۱/ ۱۹۷]

خصوصیات

☆......[۱] اس کتاب کی ترتیب فقہی ابواب کے موافق ہے لیکن حسن ترتیب کے لحاظ سے بہت بلند پایہ کتاب ہے۔

☆......[۲] مختلف مسائل کو ثابت کرنے کیلئے ایک روایت کئی جگہ ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ کا طریقہ ہے۔

☆......[۳] کبھی کبھی حدیث کے نقل کرنے کے بعد اس کے مرسل و متصل ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

☆......[۴] کبھی کبھی حدیث کے صحیح وضعیف ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

☆......[۵] حدثنا اور اخبرنا میں فرق کرتے ہیں۔

☆......[۶] طرق احادیث کی خوب وضاحت کرتے ہیں اور اختلاف الفاظ کوملحوظ رکھتے ہیں۔

☆......[۷] علل حدیث میں امام نسائی کو غیر معمولی ملکہ حاصل تھا اسی لئے بسا اوقات علل حدیث پر بھی بحث کرتے ہیں اور یہ اس کتاب کی بہت بڑی خصوصیت ہے۔

☆......[۸] کبھی راویوں کے اسماء، القاب اور کنیت کے ابہام کو دور کردیتے ہیں، نیز راویوں کے تفرد و متابعت یا عدم متابعت، سماع، عدم سماع وغیرہ کی صراحت بھی کردیتے ہیں۔ [الفوز السمائی مقدمہ نسائی مترجم/ ۴۳]

●......●......☆☆☆☆......●......●

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ، نام نامی محمد بن زید بن عبداللہ ابن ماجہ قزوینی ربیعی ہے، ربیعہ ایک قبیلہ کا نام ہے اور قزوین ایک شہر کا نام ہے جو عراق میں ہے یا ایران میں۔

ولادت: ۲۰۹ھ مطابق ۸۲۴ء میں ہوئی، ۲۲/رمضان ۲۷۳ھ کو ۶۴/سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابن ماجہ

ابن ماجہ سے مشہور ہونے کی چند وجہ بیان کی جاتی ہے:

☆......[۱] آپ کے دادا کا نام ماجہ تھا، ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے ابن ماجہ کہا جاتا ہے۔

☆......[۲] ماجہ آپ کے والد ماجد کا لقب تھا، ان کی طرف منسوب تھے۔

☆......[۳] ماجہ آپ کی والدہ کا نام تھا، یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

مناقب

☆......[۱] ابویعلیٰ خلیلیؒ فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ بلند درجہ کے ثقہ، متفق

علیہ اور قابل احتجاج ہیں، آپ کو حدیث اور سند حدیث میں پوری معرفت حاصل ہے۔

☆......[۲] مؤرخ ابن خلکان فرماتے ہیں: آپ حدیث کے امام تھے اور احادیث کے تمام متعلقات سے واقف تھے۔

☆......[۳] علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: بیشک آپ حافظ حدیث، صدوق اور تمام علوم سے آراستہ تھے۔

ابن ماجہ شریف

فن حدیث کی یہ ایک اہم کتاب ہے جب اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوگئے تو مشہور محدث امام ابوزرعہؒ کی خدمت میں پیش کیا تو اس کو دیکھ کر محو حیرت ہوکر کہنے لگے اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس دور کی اکثر کتابیں معطل ہوجائیں گی، اس کو پانچویں صدی کے اخیر میں صحاح ستہ میں شامل کیا گیا، اس کا اسلوب اور ابواب کی فقہی رعایت، انتخاب روایت اور ترتیب احادیث نے اس کتاب کی اہمیت کو کافی بڑھایا ہے۔

فضائل

اس کی تالیف سے فارغ ہونے کے بعد مشہور محدث امام ابوزرعہؒ کی خدمت میں جب پیش کیا تو اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس کی اشاعت کے بعد اکثر

کتب حدیث سے بے نیازی ہوجائیگی۔

یہ کتاب اختصار وعدم تکرار میں بے نظیر اور بے مثال ہے۔

امام ابوزرعہؒ کے بقول: اس کتاب میں کوئی حدیث نہایت ضعیف اور موضوع نہ ہوگی۔ [اعلام النبلاء/ ۶۱۴]

محدث ابوالقاسمؒ تاریخ قزوین میں لکھتے ہیں: حفاظ حدیث ابن ماجہ کی کتاب کو صحیحین، سنن ابوداؤد، سنن نسائی کے برابر کہتے ہیں، اور اس کی روایات سے استدلال کرتے ہیں۔ [علم حدیث اور ابن ماجہ/ ۱۲۸]

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: یہ کتاب امام ابن ماجہؒ کے علم وعمل، تبحر فن، اور اصول وفروع میں ان کی اتباعِ سنت کو بتاتی ہے۔

تعداد روایات

ایک لاکھ احادیث سے چار ہزار احادیث کا یہ مجموعہ مرتب فرمایا۔

نسخہ

چند شاگردوں سے ان کی روایات کا سلسلہ پھیلا، ان میں سب سے زیادہ حافظ ابوالحسن القطانؒ کا نسخہ ہے، بہت ہی زیادہ عابد وزاہد اور صائم الدھر تھے، نمک روٹی سے افطار کرلیا کرتے تھے۔ [ظفر المحصلین/ ۱۹۷]

خلاصۂ مضامین

اتباع سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوکر باب صفۃ الجنۃ پر ختم ہوتی ہے، فقہی ترتیب پر عبادات واحکام کے بارے میں حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔

خصوصیات

☆......[۱] عدم تکرار: اس کتاب میں تکرار حدیث بالکل نہیں، یہ امتیاز صحاح ستہ میں کسی کو حاصل نہیں۔

☆......[۲] اس میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں، تقریباً ایک ہزار روایات اس قسم کی ہیں۔

☆......[۳] اس میں پانچ روایات ثلاثی ہیں۔

☆......[۴] متن حدیث جامع ہے یعنی عنوانات مقررہ پر اکثر وبیشتر احادیث مختصر لائی گئی ہیں۔

☆......[۵] راویانِ حدیث کے وطن ومقام کی تعیین بھی کرتے ہیں۔

☆......**ف**: متقدمین میں بعض حضرات صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کو ہی قرار دیتے تھے، اور بعض مؤطا مالک کو صحاح ستہ میں شمار کرتے تھے۔

[محدثین عظام/ ۴۳]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ، لقب امام دارالہجرۃ، نام نامی مالک بن انس ہے۔

ولادت: ۹۵ھ، ایک قول کے مطابق ۹۳ھ ہے، اور بعض نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ امام مالک شکم مادر میں خلاف عادت تین سال رہے۔ [بستان المحدثین/ ۴]

مناقب

☆......[۱] سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: ہم لوگ امام مالکؒ کے سامنے کیا چیز ہیں؟ ہم تو ان کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہیں۔

☆......[۲] عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں: روئے زمین پر امام مالک سے بڑھ کر حدیث نبوی کا کوئی امانت دار نہیں۔

☆......[۳] امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: علماء کے درمیان مالک ستارہ ہیں۔

☆......[۴] امام احمدؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کسی کی حدیث یاد کرنی ہو تو کس کی یاد کرنی چاہئے، تو فرمایا کہ مالک بن انس کی۔

☆......[۵] امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے: میں نے امام مالکؒ سے زیادہ جلد اور صحیح جواب دینے والا نہیں دیکھا۔

☆......[۶] آپ کی امتیازی شان یہ ہے کہ آپ کا مولد ومسکن مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور یہ خصوصیت بھی حاصل رہی ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ مرکز علم وفن بنا ہوا تھا، ممالک اسلامیہ کے مشائخ خود آستانۂ نبوی کے حاضر باش تھے، اس لئے امام مالکؒ کو مدینہ منورہ سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

☆......[۷] آپ میں محبت نبوی کا حد درجہ غلبہ تھا، یہی وجہ ہے کہ باوجود ضعف وکمزوری کے مدینہ منورہ میں نہ تو کسی جانور پر سوار ہوئے اور نہ کبھی جوتے پہن کر چلنے کی ہمت کی۔ [بستان المحدثین/ ۱۶]

☆......[۸] درس حدیث کا بہت اہتمام کرتے، غسل کرتے، عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگا کر بیٹھتے، کبھی پہلو نہ بدلتے، ایک دفعہ ۱۴/مرتبہ بچھو نے ڈنک مارا مگر درس حدیث کے انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا۔ [بستان المحدثین/ ۱۶]

وفات

۲۲/دن حالت مرض میں رہے، ۱۷۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

مؤطا مالک

وجہ تالیف

منصور بادشاہ نہایت ہی علم دوست شخص تھا، اس نے امام مالکؒ سے گذارش کی کہ اب اسلام میں ہم سے اور آپ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا، میں تو خلافت کے جھگڑے میں پڑ گیا، آپ کو فرصت وموقع ہے لہٰذا ایسی کتاب لکھ دیں جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، البتہ اس میں حضرت ابن عباسؓ کے جواز اور حضرت ابن عمرؓ کے تشدد واحتیاط سے گریز کریں، اور لوگوں کیلئے تصنیف وتالیف کا نمونہ قائم کردیں، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں بخدا منصور نے یہ باتیں کیا کہیں تصنیف کا طریقہ ہی سکھلا دیا۔

[ظفر المحصلین/ ۸۴۔ ابن ماجہ اور علم حدیث/ ۱۸۳]

زمانۂ تالیف

قرائن وشواہد کی بنا پر اندازہ سے کہا جاسکتا ہے کہ خلیفہ منصور (متوفی ۱۵۸ھ) کے آخری دور میں اس کی ابتدا ہوئی، اسی درمیان خلیفہ واصل بحق ہوگئے، اور ان کے فرزند مہدی تخت نشیں ہوئے جس کے ابتدائی دور میں یہ

تالیف مکمل ہوئی۔ [ابن ماجہ اور علم حدیث/ ۱۸۳]

وجہ تسمیہ

مؤطا: توطیۃٌ سے مشتق ہے، لغوی معنی روندنے، تیار کرنے، نرم وسہل بنانے کے ہیں، مؤطا کے معنی سہل ونرم کیا ہوا، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کو مرتب کر کے لوگوں کیلئے فہمِ احادیث کو آسان کر دیا۔

فضائل

۞...... ام الصحیحین کہلاتی ہے۔

۞...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کتب حدیث میں مؤطا سے اقوی کوئی کتاب نہیں۔

۞...... حضرت امام مالکؒ نے جب تالیف شروع کی تو ہر رات زیارت نبوی سے مشرف ہوتے رہے۔

۞...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: اگر مؤطا کو دردِزہ میں مبتلا عورت کے سرہانے رکھ دیا جائے تو بچہ جلد پیدا ہو جائے۔

تعداد روایات

۱۷۲۰/ روایات ہیں، جن میں مسند و مرفوع ۶۰۰۔ مرسل ۲۲۲۔

موقوف ۶۱۳۔ تابعین کے اقوال وفتاویٰ ۲۸۵۔

نسخہ

مؤطا مالک کا جو نسخہ ہمارے یہاں رائج ہے وہ امام مالکؒ کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ اندلسیؒ سے منقول ہے۔

خصوصیات مؤطا مالک

باب وقوت الصلوٰۃ سے شروع ہو کر باب ما جاء فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب ختم ہوتی ہے۔ احکام وعبادات اور معاملات پر مشتمل احادیث ہیں۔

☆......[۱] فقہی ترتیب کے لحاظ سے اوائل کتب میں اس کا شمار ہے۔

☆......[۲] مؤطا میں صرف اور صرف صحیح حدیثیں ہیں۔

☆......[۳] مؤطا کے سبھی رواۃ حجازی ہیں۔

☆......[۴] امام مالکؒ کبھی فرماتے ہیں: ”ھی السنة اللتی لااختلاف فیھا عندنا کذا و کذا“ یعنی وہ سنت جس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، یہ جملہ ان مسائل کے متعلق نقل فرماتے ہیں جن مسائل میں اہل مدینہ کا اتفاق ہو۔

☆......[۵] اگر کسی مسئلہ میں اہل مدینہ کا اختلاف ہو تو سب سے قوی

اور راجح قول اختیار کرتے ہیں۔

☆......[۶] باب کے تحت ان مسائل کو بیان کرتے ہیں جو اس سے مناسبت رکھتے ہوں۔ نیز اپنے اجتہادات بھی نقل کرتے ہیں، جب کسی حدیث کے مجموعہ سے کسی روایت کا انتخاب کرتے ہیں تو " بلغنی " کا صیغہ استعمال فرماتے ہیں۔ [محدثین عظام/ ۸۲]

☆☆☆☆☆

●......●......☆☆☆☆......●......●

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ، نام نامی محمد بن حسن شیبانی ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۲ھ میں ہوئی۔

وفات: ستاون سال کی عمر میں ۱۸۹ھ میں ہوئی۔

شیبان: ایک قول کے مطابق آپ کے قبیلہ کا نام ہے اور دوسرے قول کے مطابق یہ نسبت ولائی ہے، کیونکہ آپ کے والد بنوشیبان کے غلام تھے، آپ کے والد دمشق کے شہر حرب کے رہنے والے تھے، مگر پھر والد صاحب عراق کے شہر واسط منتقل ہوگئے تھے اسی شہر میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔

مناقب

☆......[۱] اما شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: امام محمدؒ سے زیادہ حلال وحرام، علل حدیث، اور ناسخ ومنسوخ کا جاننے والا میرے علم میں کوئی شخص نہیں۔

☆......[۲] امام ذہبیؒ فرمایا کرتے: امام محمدؒ علم فقہ میں سمندر ہیں۔

☆......[۳] ابوعبیدہؒ کہتے ہیں: امام محمدؒ سے بڑھ کر قرآن کا عالم میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔

☆......[۴] امام احمدؒ سے کسی نے پوچھا کہ مسائل فقہیہ آپ نے کس

سے سیکھے؟ تو فرمایا کہ امام محمدؒ کی کتابوں سے۔

ایک لاکھ سے زائد مسائل مستنبط کیئے، تقریباً ہزار کتابیں تصنیف فرمائی۔●

[الفوائد البہیہ / ۱۶۳۔ تاریخ بغداد ۲/ ۱۷۳]

☆......[۵] خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ علوم فقہیہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان جس شخص کا ہے وہ محمد بن حسن ہیں۔ [تاریخ بغداد ۲/ ۱۷۳]

[مزید مناقب کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ بغداد: ص/ ۱۶۹ تا ۱۷۸]

امام اعظم کی بارگاہ میں

امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ کوئی نابالغ جب عشاء پڑھ کر سوئے اور فجر سے پہلے بالغ ہو جائے تو کیا عشاء دہرانی ہوگی؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ہاں دہرانی ہوگی، اسی وقت ایک جانب جا کر نماز دہرائی اس پر حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ لڑکا نہایت ہونہار اور باکمال ہوگا۔ کچھ دنوں کے بعد جب شرف تلمذ کا ارادہ ہوا اور امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ پہلے قرآن کریم حفظ کر لو پھر آؤ،

● جب کسی موضوع پر کتاب لکھی جاتی ہے اور اس میں مختلف مسائل کو مختلف عنوان پر تقسیم کر کے بیان کیا جاتا ہے مثلاً کتاب الطہارۃ، کتاب الصوم، کتاب العتاق وغیرہ، ان تمام عنوانات کے لحاظ سے کتاب کی تعداد لکھ دی جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی ہے۔ [تذکرۃ المحدثین/ ۱۴۶]

سات دن بعد دوبارہ حاضر ہوئے امام صاحبؒ نے کہا کہ میں نے تو کہا تھا کہ حفظ کر کے آنا، انہوں نے فرمایا کہ حفظ کر کے آیا ہوں۔ امام صاحبؒ کی خدمت میں چار سال تک رہے اور خاص کر علم فقہ سے استفادہ کرتے رہے، امام صاحبؒ کے وصال کے بعد امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے بھی فقہ حاصل کیا، نیز امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فن حدیث میں مزید مہارت پیدا کی اور تقریباً سات سو روایات ان سے اخذ کی، امام مالکؒ کی خدمت میں تین سال رہے۔ [لسان المیزان ۵/ ۱۲۱۔ بحوالہ تذکرۃ المحدثین]

وفات

ستاون سال کی عمر میں ۱۸۹ھ میں رخصت ہوئے اور شہر ''رَی'' میں مدفون ہوئے۔

وفات کے بعد

وفات کے بعد ایک ابدال نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے تو فرمایا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ اگر تمہیں عذاب دینے کا ارادہ ہوتا تو میں تمہیں یہ علم عطا نہ کرتا۔ میں نے پوچھا امام ابو یوسفؒ کہاں ہیں؟ فرمایا کہ مجھ سے بلند درجہ میں، اور امام اعظمؒ ان سے زیادہ بلند مرتبہ میں ہیں۔

[تاریخ بغداد ۲/ ۱۷۸]

کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ نزع کے وقت آپ کا کیا حال تھا؟ آپ نے فرمایا کہ مکاتب کے مسائل پر غور کر رہا تھا مجھے روح نکلنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔ [تاریخ بغداد ۲/ ۱۷۸]

مؤطا امام محمدؒ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بقول مؤطا امام مالک کے سولہ نسخے تھے لیکن دنیا میں صرف دو نسخے مشہور ہوئے ایک امام محمد کا نسخہ اور ایک یحییٰ بن یحییٰ اندلسی کا، گویا اصلاً مؤطا امام محمدؒ، امام مالکؒ کی کتاب ہے، آپ کی مستقلاً تصنیف نہیں ہے لیکن چونکہ امام محمد نے اس مجموعہ میں صرف امام مالکؒ سے مسموع روایات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک سو پچھتر روایات دوسرے شیوخ سے نقل فرمائی ہیں اس بنا پر مؤطا امام محمد کے نام سے مشہور و معروف ہوگئی۔ اسی بنا پر بعض محققین اس کو مؤطا امام مالک روایۃً عن محمد کہتے ہیں۔

[بستان المحدثین/ ۱۱]

انداز ترتیب

حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں تین سال سے کچھ زائد رہ کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور اپنے وطن میں اس کی ترتیب دی، انداز ترتیب یہ ہے: سب سے پہلے ترجمۃ الباب کے تحت امام مالکؒ کی روایت ذکر کرتے

ہیں، اگر وہ مسلک حنفی کے مطابق ہو تو اس کے بعد "بہ نأخذ" فرماتے ہیں اور اگر خلاف ہو تو توجیہ ذکر کر کے اپنی مستدل روایت واثر لاتے ہیں، اور بسا اوقات ائمہ کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں، اور قیاس بھی ذکر کرتے ہیں، اور خاص بات یہ کہ جس قسم کی روایت (مرفوع یا موقوف) امام مالکؒ کی مستدل ہوتی ہے ان کے جواب میں اسی درجہ کی روایت نقل کرتے ہیں۔

تعداد روایات

ایک ہزار اسی روایات ہیں، جن میں ایک ہزار پانچ روایات امام مالکؒ سے، ایک سو پچھتر دوسرے مشائخ سے، جن میں سات امام اعظمؒ سے اور چار امام ابو یوسفؒ سے منقول ہیں۔

خصوصیات

عبادات واحکام اور فقہی مسائل کیلئے احادیث وآثار جمع کئے گئے ہیں۔

☆......[۱] ترجمۃ الباب کے بعد سب سے پہلے امام مالکؒ کے واسطہ سے روایت نقل کرتے ہیں، خواہ روایت موقوف ہو یا مرفوع۔

☆......[۲] امام مالکؒ سے منقول روایات کے خلاف اگر ان کا مسلک ہو تو پھر اپنے مسلک کی مستدل روایت بھی نقل کرتے ہیں۔

☆......[۳] اپنا مذہب نقل کرنے کے بعد اپنے شیخ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بھی

نقل کرتے ہیں۔

☆......[۴] اپنا مذہب مختار ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں:

" وبهذا نأخذ ، و الا فتاء به ، به يفتي ، عليه الفتوىٰ ، به يعتمد"

☆......[۵] جب " **لابأس** " ذکر کریں تو اس سے جواز ثابت ہوگا، جبکہ متأخرین احناف کے نزدیک مکروہ تنزیہی مراد ہوتا ہے۔

☆......[۶] جب لفظ " **ينبغي**" ذکر کریں تو اس میں سنت و واجب دونوں شامل، جبکہ متأخرین کے نزدیک اس سے صرف سنت ومستحب مراد ہوگا۔

☆......[۷] لفظ "اثر" بولکر حدیث مرفوع وموقوف دونوں مراد لیتے ہیں۔

☆......[۸] بعض مواقع پر آثار واخبار کو لفظ " **بلغنا**" سے ذکر کرتے ہیں۔

☆......[۹] "**حدثنا**" اور " **اخبرنا** " میں فرق ملحوظ نہیں کرتے، بلکہ ہر جگہ "**اخبرنا**" ہی کہتے ہیں۔

☆......[۱۰] مؤطا امام مالک میں سترہ ایسی روایات ہیں جن پر مالکیہ کا عمل نہیں، مگر اس کی وجہ نہیں لکھی، جبکہ مؤطا امام محمد میں ایسی روایت کے بعد معمول بہ روایت بھی نقل کردی ہے۔

☆......[۱۱] اس میں جو حدیثیں امام مالکؒ سے مروی ہیں وہ سب امام محمدؒ نے آپ کے پاس تین سال رہ کر بلا واسطہ سنی ہیں۔

[ظفر المحصلین / ۹۸]

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوجعفر، نام نامی احمد، والد ماجد کا اسم سامی محمد ہے، ملک مصر میں ایک بستی کا نام "طحا" ہے جس کی طرف منسوب ہوکر "طحاوی" کہلاتے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت کس سن میں ہوئی اس میں مختلف اقوال ہیں، سمعانیؒ نے ۲۲۹ھ بتلایا ہے، علامہ عینی، حافظ ابن کثیر نے اسی کو ترجیح دی ہے، اس لحاظ سے امام بخاریؒ کی وفات کے وقت امام طحاویؒ کی عمر ۲۷/سال رہی ہوگی، کیونکہ امام بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی ہے، امام طحاویؒ کی وفات ۳۲۱ھ میں بعمر ۹۲/سال ہوئی۔ [بستان المحدثین / ۱۴۴]

مناقب

☆......[۱] علامہ ابن عبد البرؒ: امام طحاویؒ تاریخ وسیر کے بڑے عالم مذاہب ائمہ سے واقف تھے۔

☆......[۲] علامہ سمعانی: امام طحاویؒ اونچے درجہ کے ثقہ، فقیہ وعالم

تھے، اپنا مثل نہیں چھوڑا۔

☆......[۳] علامہ ابن جوزیؒ: امام طحاویؒ فقیہ وفہیم تھے۔

☆......[۴] علامہ ذہبیؒ: آپ فقیہ، محدث، حافظ حدیث، ثقہ اور بلند پایہ اہل علم میں سے تھے۔

☆......[۵] علامہ ابن اثیر جزریؒ: حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے بقول علامہ ابن اثیرؒ نے امام طحاویؒ کو مجدد فرمایا، کیونکہ پہلے کے محدثین صرف روایتِ حدیث متناً وسنداً ذکر کرتے تھے، معانیٔ حدیث، محاملِ حدیث، دفع تعارض وغیرہ پر بحث نہیں کرتے تھے جبکہ امام طحاویؒ نے اس نئے طرز پر لکھ کر حق ادا کردیا۔ [انوار الباری ۲/ ۶۳]

امام طحاویؒ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ صحاح ستہ کے محدثین کے ہم عصر رہے ہیں جیسا کہ آرہا ہے۔

تبدیلیٔ مسلک کی وجہ

امام طحاویؒ اپنے ماموں امام مزنیؒ کے پاس پڑھتے رہے، امام مزنی اور خود امام طحاویؒ شافعی المسلک تھے، مگر پھر امام طحاویؒ نے مسلک شافعی چھوڑ دیا اور حنفی ہوگئے، محمد بن احمد نے امام موصوف سے پوچھا کہ آپ نے اپنے ماموں امام مزنی کی مخالفت کیوں کی اور حنفی مسلک کیوں اختیار کیا؟ فرمایا کہ

میں دیکھتا تھا کہ ماموں ہمیشہ امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں مطالعہ میں رکھتے ہیں، ان سے استفادہ کرتے ہیں، اسی لئے میں اس کی طرف منتقل ہوگیا۔

[انوار الباری ۱/ ۶۰، مقدمہ معانی الاحبار/ ۱۹]

علامہ کوثریؒ نے الحاوی فی سیرۃ الامام طحاوی میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ماموں کو دیکھ کر میں نے خود بھی امام صاحب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا، اور ان کی کتابوں نے مجھے مسلک حنفی کا گرویدہ بنادیا، جس طرح ان کتابوں نے میرے ماموں کو بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف مائل کردیا تھا۔ [الحاوی/ ۱۶۔ بحوالہ انوار الباری/ ۶۰]

بعض حضرات نے بے سند اور خلاف واقعہ بات نقل کی ہے، مثلاً حافظ ابن حجرؒ نے لسان العرب میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ امام طحاویؒ اپنے ماموں سے سبق پڑھ رہے تھے ایک دقیق مسئلہ امام طحاویؒ کو بار بار سمجھایا مگر وہ نہ سمجھ سکے، اس پر امام مزنیؒ نے تنگ آکر غصہ سے فرمایا کہ خدا کی قسم تم کسی قابل نہ ہوسکو گے، اس بات پر امام طحاوی ناراض ہوکر حنفی قاضی کے پاس چلے گئے، اور مذہب شافعی ترک کردیا۔

مگر تبدیلیٔ مسلک کی یہ وجہ عقلاً صحیح نہیں بلکہ فہم سے بالاتر ہے، کیونکہ جو شخص اس قدر غبی ہو کہ استاد کی بار بار تقریر سے ایک مسئلہ نہ سمجھ سکتا ہو کیا وہ آگے چل کر اس قدر اعلیٰ درجہ کا ذہین بن سکتا ہے کہ ان کی کتابوں کے سمجھنے

والے بھی بااستعداد علماء کم ہیں۔ [انوار الباری ۱/۶۳]

امام طحاویؒ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ صحاح ستہ کے محدثین کے ہم عصر ہیں جیسا کہ ذیل کے نقشہ سے اندازہ ہوتا ہے:

ائمۂ حدیث	سن وفات	امام طحاویؒ کی عمر
امام بخاریؒ	۲۵۶ھ	۲۷
امام مسلمؒ	۲۶۱ھ	۳۲
امام ابوداؤدؒ	۲۷۵ھ	۴۶
امام ترمذیؒ	۲۷۹ھ	۵۰
امام نسائیؒ	۳۰۰ھ	۷۱
امام ابن ماجہؒ	۲۷۳ھ	۴۴
امام احمد بن حنبلؒ	۲۴۱ھ	۱۲

طحاوی شریف

وجہ تالیف

امام طحاویؒ کے زمانہ میں بعض ملحدین اور منکرین حدیث، احادیث میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگے اس وقت بہت سے اہل علم کے دل میں یہ

خیال پیدا ہوا کہ تقابلی انداز میں کوئی ایسی کتابِ حدیث ہونی چاہئے جو فقہ حنفی کے اثبات کے ساتھ ساتھ ملحدین ومنکرین کے شکوک وشبہات کا جواب بھی بن جائے، اسی داعیہ کے پیش نظر، بہت سے علم دوست احباب نے آپ سے گذارش کی، آپ نے زمانہ کی ایک ضرورت سمجھتے ہوئے اس کی تصنیف فرمائی۔ [مقدمہ معانی الاحبار]

خلاصۂ مضامین

عبادات، معاملات اور احکام کی روایات کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ہے، شرعی احکام اور فقہی مسائل کو ثابت کرنے کیلئے احادیث جمع کی گئی ہیں۔

خصوصیات

☆......[۱] طحاوی شریف میں بکثرت ایسی روایات ہیں جو دوسری کتب حدیث میں نہیں ہیں۔

☆......[۲] ایک حدیث کے مختلف طرق کو جمع کر دیتے ہیں، جن سے حدیث میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

☆......[۳] احادیث کی تشریح کیلئے صحابہ اور فقہاء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

☆......[۴] ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔

☆......[۵] دلائل احناف کے ساتھ دیگر ائمہ کے دلائل بھی نقل کرتے ہیں، اور پھر محاکمہ کرتے ہیں کہ اقرب وانسب کون ہے؟

☆......[۶] مختلف مسائل میں ناسخ ومنسوخ احادیث کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

☆......[۷] کتاب وسنت اور عمل اسلاف سے دلائل وشواہد، معمول بہ احادیث کا قوی اور راجح ہونا ثابت کیا ہے۔

☆......[۸] سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہر باب کے تحت ''نظر'' کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور بحث ونظر میں قول فیصل بیان کر دیا ہے۔

☆......[۹] متعارض احادیث کے درمیان تطبیق دی ہے اور ہر ایک کا الگ الگ محمل ٹھہرایا ہے۔ [مقدمہ معانی الاحبار / ۶۴]

●......●......☆☆☆☆......●......●

☆☆☆☆☆

صاحب مصابیح رحمۃ اللہ علیہ

مشکوٰۃ کی اساس وبنیاد مصابیح السنہ ہے اس لئے پہلے مصابیح السنہ کے مؤلف کے متعلق مختصر باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

کنیت ابومحمد، نام نامی حسین، لقب محی السنہ، والد کا نام مسعود اور دادا کا نام محمد ہے۔ چونکہ آپ کے والد مکرم پوستین بنایا کرتے تھے اس بنا پر ان کو فراء کہا جاتا ہے، آپ کے وطن کا نام بغشور ہے جو ہرات ومرو کے درمیان واقع ہے، شور کا لفظ محذوف ہو کر بغوی کہا جاتا ہے۔

ولادت: آپ ۴۳۵ھ میں پیدا ہوئے، اور ماہ شوال ۵۱۶ھ میں بمقام مرو، وفات پائی، قریباً اسی سال کی عمر تھی۔

مناقب

☆......[۱] آپ زہد وقناعت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، آپ کا زہد زبان زد تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی اہلیہ کا جب انتقال ہوا تو بہت مال چھوڑ کر مریں لیکن زہد وقناعت کا یہ حال تھا کہ کچھ بھی نہیں لیا۔

☆......[۲] آپ ہمیشہ باوضور ہا کرتے تھے۔

☆......[۳] زہد واستغنا کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ خشک روٹی پانی میں تر کر کے کھاتے رہے، شاگردوں نے عرض کیا جسم واعضاء کمزور ہوجائیں گے دماغ خشک ہوجائیگا، تو بطور سالن زیتون کا تیل استعمال کرنے لگے۔

وجہ تالیف

جب آپ شرح السنہ نامی کتاب لکھ کر فارغ ہوئے تو خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے ارشاد فرمایا " **أحياك الله كما أحييت سنتي** " کہ اللہ پاک تم کو اسی طرح زندہ رکھے جس طرح تم نے میری سنت کو زندہ کیا۔ اس منامی بشارت کو دیکھ کر جذبہ پیدا ہوا کہ بطور شکر یہ حدیث کی کوئی اور کتاب لکھنی چاہئے تا کہ مزید سعادت حاصل ہوسکے، اسی جذبہ کی تکمیل میں آپ نے مصابیح السنہ لکھی۔

طریقۂ تالیف

امام محی السنہ نے سات کتب حدیث سے احادیث کا انتخاب کر کے یہ مجموعہ تیار فرمایا، اپنی اس کتاب میں ترتیب کے لحاظ سے احادیث کو دوقسم پر منقسم فرمایا:

قسم اول میں بخاری اور مسلم کی روایات جمع فرمائی، اور اس کا عنوان الصحاح رکھا۔

قسم ثانی میں سنن خمسہ ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی احادیث جمع فرمائی اور ان احادیث کیلئے الحسان کا عنوان رکھا۔

الحسان یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے ورنہ توحسن کی جمع حسان آتی ہے جس کا مفہوم محدثین کے یہاں کچھ اور ہے۔ [مرقات ۲/۶ ۔ ۴]

جن مذکورہ کتابوں سے احادیث اخذ کی ہے ان میں سند کے مذکور ہونے کی بنا پر امام محی السنہ نے پوری سند حذف کردی اور اخیر میں حوالہ کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔

تعداد روایات

۴۴۸۴۔ جن میں بخاری ومسلم کی ۲۴۳۴، سنن ابوداؤد وترمذی کی ۲۰۵۰ روایات ہیں، البتہ صاحب کشف الظنون کا خیال ہے کہ کل تعداد ۴۷۱۹ ہے، جن میں ۳۲۵/ بخاری کی، ۸۷۵/ مسلم کی، ۱۰۵۱/ دونوں کی، اور باقی دیگر کتب کی ہے۔

●......●......☆☆☆☆......●......●

صاحب مشکوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ

نام نامی محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب ولی الدین، والد کا نام عبداللہ، نسباً عمری ہیں اور خطیب تبریزی سے مشہور ہیں۔ آپ شہر ''تبریز'' کی جامع مسجد میں خطیب تھے اس بنا پر آپ کو خطیب تبریزی کہا جاتا ہے۔

ولادت: موصوف کی تاریخ ولادت کے متعلق مؤرخین یا تو خاموش ہیں یا عدم یافت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ [طیبی ۱/ ۴۹]

وفات: یقینی طور پر آپ کا سن وفات معلوم نہیں البتہ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ۷۳۷ھ کے بعد یا ۷۴۰ھ یا پھر ۷۴۳ھ میں وفات ہوئی۔ [طیبی ۱/ ۴۹]

مناقب

☆......[۱] آپ بلند پایہ خطیب، فصاحت و بلاغت کے امام، زہد و تقویٰ کے پیکر اور اپنے وقت کے بے نظیر محدث اور عالم تھے۔

☆......[۲] آپ کے علم وفضل کا سب سے بڑا شاہکار ''مشکوٰۃ شریف'' ہے جو حدیث کی بنیادی کتاب ہے اور درس نظامی میں اس کے بغیر

صحاح ستہ تک رسائی نہیں ہوتی۔

وجہ تالیف

چونکہ علامہ بغویؒ نے مصابیح السنہ میں ہر حدیث کی سند اور مأخذ دونوں حذف کر دیا تھا، حوالہ نہ ہونے کی بنا پر تلاش حدیث میں دقت ہوتی تھی اور سند مذکور نہ ہونے کی بنا پر صحت حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اسی بنا پر بعض حضرات نے اس پر تبصرہ شروع کر دیا تھا، تو خطیب تبریزیؒ کے استاد مکرم، اور مشکوٰۃ کے شارح علامہ طیبیؒ نے حکم دیا کہ آپ از سر نو اس کی ترتیب دیں، تاکہ تلاش حدیث بھی آسان ہو اور کتاب کی صحت و اہمیت پر بھی حرف نہ آنے پائے، چنانچہ استاد مکرم کے حکم کی تعمیل میں انہوں نے نئی ترتیب کیساتھ مشکوٰۃ شریف مرتب فرمائی اور جب ان کی خدمت میں پیش کیا تو بہت خوش ہوئے بلکہ شاگرد کی تالیف کی خود ہی شرح لکھ دی جو ''طیبی'' کے نام سے مشہور ہے۔

[مرقات ۱/ ۴۹]

زمانۂ تالیف

ابتدا کس سن میں ہوئی اس کا اندازہ تو نہیں ہوسکا، البتہ اس کی تکمیل کی تاریخ معلوم ہے کہ بروز جمعۃ الوداع رمضان عید کا چاند نکلنے سے پہلے ۷۳۷ھ میں اس کی تکمیل سے فارغ ہوگئے تھے۔ [طیبی ۱/ ۳۰]

طریقۂ تالیف

امام بغویؒ نے جن کتب حدیث سے روایات جمع کی تھیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا، پہلے حصہ میں بخاری ومسلم کی روایات اور دوسرے حصہ میں دیگر کتب کی روایات۔ مصنف مشکوٰۃ نے ان کے عنوان الصحاح اور الحسان کو بدل دیا، اور ہر باب کے تحت تین فصل قائم کی، فصل اول کے تحت بخاری ومسلم کی روایات، فصل ثانی کے تحت ان روایتوں کو جمع کیا جن کو انہوں نے حسان کے عنوان کے تحت ذکر کیا تھا، اور تیسری فصل میں اپنی طرف سے روایات کا اضافہ فرمایا۔ [طیبی ۱/ ۳۰]

تعداد روایات

مصابیح السنہ کی روایات ۴۴۸۴ ہیں خطیب تبریزی نے ۱۵۱۱/روایتوں کا اضافہ کیا ہے جس سے مشکوٰۃ کی مجموعی تعداد/ ۵۹۹۵ ہوتی ہے۔

[طیبی ۱/ ۳۰]

نسخہ

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخۂ مشکوٰۃ ۹۵۵ھ تک موجود رہا اس کے بعد تلف ہو گیا۔

خلاصۂ مضامین

" کتاب الایمان " سے شروع ہو کر "ثواب هذه الامة " پر یہ کتاب ختم ہوئی ہے۔

عقائد، عبادات، معاملات، عقوبات و جہاد، اخلاق و آداب، فتن و علامات قیامت، جنت و دوزخ، شمائل نبوی، ذکر انبیاء، مناقب صحابہ، فضائل اہل بیت پر مشتمل روایات ہیں۔

دونوں میں فرق

خطیب تبریزیؒ نے مقدمۂ مشکوٰۃ میں چودہ وجہ فرق بیان کیا ہے:

☆......[۱] مصابیح میں جملہ روایات مرفوع ہیں، جبکہ مشکوٰۃ شریف میں موقوف اور مقطوع روایات بھی ہیں۔

☆......[۲] مصابیح میں متن حدیث سے پہلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے صحابی کا نام مذکور نہیں، جبکہ مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔

☆......[۳] مصابیح میں حدیث کا ماخذ مذکور نہیں جبکہ مشکوٰۃ میں ماخذ مذکور ہے، الّا شاذ و نادر۔

☆......[۴] مصابیح میں صحیحین کی روایات کا عنوان الصحاح ہے اور

مشکوٰۃ میں فصل اول کا، اُس میں غیر صحیحین کی روایات کا عنوان الحسان ہے جبکہ مشکوٰۃ میں فصل ثانی کا۔

☆......[۵] مصابیح میں صرف دو عنوان (الصحاح، الحسان) کے تحت روایات ہیں جبکہ مشکوٰۃ میں سابق دو عنوان کے علاوہ تیسری فصل کا بھی اضافہ ہے۔

☆......[۶] تبدیلی حوالہ : صاحب مشکوٰۃ نے مصابیح کی بعض احادیث کا محل بھی تبدیل کردیا ہے، یعنی فصل اول کی احادیث میں غیر صحیحین کا حوالہ ہوتا ہے اور فصل ثانی میں صحیحین کا، اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب مشکوٰۃ کی تحقیق کے مطابق ان کو فصل اول کی روایت صحیحین میں نہیں ملی۔

☆......[۷] صاحب مشکوٰۃ نے مصابیح کی بعض روایت کو حذف کیا ہے، یعنی جو روایت مکرر تھی اس کو وہاں سے حذف کرکے اس باب میں رکھا جس باب کے ساتھ خاص مناسبت تھی۔

☆......[۸] اختصار حدیث: یعنی مصابیح میں بعض احادیث مفصل اور مکمل مذکور تھیں اس روایت کا وہ حصہ حذف کردیا جو باب کے مناسب نہیں تھا۔

☆......[۹] تکمیل حدیث: مصابیح میں بعض احادیث مختصر تھیں جبکہ وہاں پر اس کا مکمل ہونا انسب تھا تو صاحب مشکوٰۃ نے اسکی تکمیل کردی۔

☆......[۱۰] اختلاف متن: بعض مواقع پر جن الفاظ میں روایت نقل

کی ہے صاحب مشکوٰۃ کو اصول میں وہ الفاظ نہیں ملے وہاں ان الفاظ کو ترک کرکے کتب اصول میں مذکور الفاظ پر مشتمل روایت کو نقل کیا ہے۔

☆......[۱۱] عدم وجدان: مصابیح کی بعض روایات کتب اصول میں سرے سے مل نہیں سکی، لیکن دوسری کتاب میں مل گئیں تو وہاں یہ عبارت **”ماوجدت هذه الرواية فى كتب الاصول ولا فى كتاب الحميدى“** لکھ دی ہے۔

☆......[۱۲] وجہ نکارت: مصابیح میں بعض روایات پر غریب یا ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے مگر وجہ ضعف بیان نہیں کی ہے، صاحب مشکوٰۃ نے اکثر جگہ مستند ائمہ محدثین سے اس کی تائید نقل کردی ہے، مثلاً **” قال الترمذی هذا حديث غريب “** یہ مطلب نہیں کہ ضعف وغرابت کی اصل علت ووجہ بھی بتلادی ہو کیونکہ مشکوٰۃ میں علت ووجہ مذکور نہیں۔

☆......[۱۳] ذکر ضعف: بعض مواقع پر مصابیح میں غریب وضعیف ہونے کا حکم مذکور نہیں، جبکہ ان کی تلاش کے مطابق وہ حدیث ضعیف تھی تو اس کے ضعف کو بیان کیا۔

☆......[۱۴] بیاض: جہاں حوالہ نہ مل سکا وہاں بیاض چھوڑ دیا ہے۔

[تحفۃ المرآۃ ۱/ ۷۷]

موجودہ دور میں بیشمار فرقے ہیں، اور ہر فرقہ اپنے آپ کے اہل حق اور ناجی ہونے کا مدعی ہے، اور ''ما انا علیہ واصحابی'' اپنے اوپر ہی چسپاں کر رہا ہے، جبکہ کچھ حضرات وہ بھی ہیں جو ائمۂ کرام کے فروعی اختلاف کو شکوک و شبہات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، حضرت مصنف مدظلہ نے ''افتراق امت'' کی حدیث کی بہترین تشریح فرمائی ہے، اہل حق کا مصداق متعین کیا ہے اور ائمۂ کرام کے فروعی اختلاف کی حقیقت بھی واضح فرمائی ہے۔ [محمد انعام الحق غفرلہ]

شرح حدیث افتراق امت

از افادات رازیٔ زماں و غزالیٔ وقت مرشدی و استاذی حضرت حافظ مولانا محمد ادریس صاحبؒ کاندھلوی شیخ الحدیث مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور، سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند

افتراق امت کی حدیث مختلف طریقوں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے، مگر مطلب سب کا ایک ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

'' ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملةً وتفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملةً ''

☆...... ترجمہ: تحقیق بنی اسرائیل میں بہتر [۷۲] فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے وہ سب ناری اور دوزخی ہوں گے مگر ایک فرقہ، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ فرقہ کونسا ہے جو دوزخ سے محفوظ رہے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فرقۂ ناجیہ ہے اور وہ فرقہ ہے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں افتراق سے اصول اور عقائد کا اختلاف مراد ہے، اعمال اور عملیات کا اختلاف مراد نہیں، اس لئے کہ بنی اسرائیل کا اور آپ کی امت کا عملی اور فروعی اختلاف بہتر اور تہتر کے عدد میں منحصر نہیں۔ دنیا کی بداعمالیوں کی کوئی حد اور شمار نہیں، معلوم ہوا کہ افتراق سے عقائد اور اصول کا اختلاف مراد ہے۔ اور دخول نار کا سبب وہی اعتقاد فاسد ہوگا، اور امتی سے مراد، امت اجابت ہے یعنی وہ لوگ جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی دعوت کو قبول کیا، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ''امتی'' فرما کر امت کو اپنی طرف مضاف فرمایا، یعنی میری امت، اور اکثر و بیشتر حدیث میں جہاں کہیں بھی امت کو اپنی طرف مضاف فرمایا وہاں اہلِ قبلہ اور امتِ اجابت مراد ہے، امتِ دعوت مراد نہیں، اسلئے کہ امت دعوت میں تمام دنیا کے کافر شامل ہیں اور ان کا عدد بیشمار ہے۔

دوم یہ کہ ''الا واحدۃ'' کا استثناء بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، اس لئے ''الا واحدۃ'' کے لفظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ منشائے نجات اس فرقۂ ناجیہ کے تمام آحاد اور افراد میں مشترک ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایک فرقہ کے تمام افراد اعتقادات میں متحد اور مشترک ہوسکتے ہیں مگر ایک فرقہ کے تمام افراد کے اعمال اور افعال میں متحد اور مشترک ہونا، ناممکن اور محال ہے۔

سوم یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرقۂ ناجیہ کی تعریف میں یہ فرمانا

کہ ''ما انا علیہ واصحابی'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز تمام صحابۂ کرامؓ کے درمیان مشترک ہوگی۔ اور یہ امر بالبداہت معلوم ہے کہ تمام صحابۂ کرامؓ میں ایسا امر مشترک، جس پر تمام صحابہ متفق ہوں وہ سوائے عقائد کے اور کوئی شئی نہیں۔ عملیات اور فروعی مسائل میں صحابۂ کرامؓ کے مابین بھی اختلاف تھا۔
حضرات صحابۂ کرامؓ میں جو اختلاف تھا وہ فقط فروعی اور عملی مسائل میں تھا کہ عبادت کا کون سا طریقہ بہتر ہے، مثلاً نماز میں رفع یدین بہتر ہے یا ترک رفع یدین، آمین اور بسم اللہ کا جہر بہتر ہے یا اخفاء۔ اصل نماز میں کوئی اختلاف نہ تھا، فقط طریقِ ادا میں اختلاف تھا، ہر ایک کتاب وسنت کا عاشق تھا، ہر ایک کو فکر یہ تھی کہ عبادت اس طریقہ سے ادا کی جائے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک سب سے بہتر ہو، یہ اختلاف فکر ونظر کا اختلاف تھا جو شائبۂ نفس اور ریا سے پاک تھا، اور کینہ وحسد اور اختصام وجدال سے کوسوں دور تھا، یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرامؓ باوجود ان اختلافات کے بلاتردّد ایک دوسرے کی نماز میں اقتداء کرتے تھے، اور باہمی محبت اور مودّت پر ذرّہ برابر اس اختلاف کا کوئی اثر نہ تھا، اور ایسا اختلاف بلاشبہ رحمت ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے اختلاف سے دین پر عمل کرنے کی مختلف صورتیں اور مختلف شکلیں سامنے آئیں۔ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کے طریقے معلوم ہوئے، امت کیلئے سہولت ہوئی کہ ان نجوم ہدایت میں سے جس کی بھی اقتداء

کریں گے ہدایت پائیں گے۔غرض یہ کہ صحابہ کرامؓ کا باہمی اختلاف فقط فروعی اوراجتہادی مسائل میں تھا،اصول وعقائد میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ،امام مالکؒ،امام شافعیؒ اورامام احمد بن حنبلؒ صحابۂ کرامؓ کی طرح اصول دین اور عقائد میں متفق تھےاور صحابہ کی طرح فروعی اور اجتہادی مسائل میں مختلف تھے،جس طرح تمام انبیائے کرام کا دین ایک ہے اورشریعتیں مختلف ہیں اسی طرح فقہائے کرام کا فروعی مسائل میں اختلاف انبیائے کرام کی مختلف شریعتوں کے اختلاف کانمونہ ہے۔حدیث میں ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

اور جس طرح انبیائے کرام کی شریعتوں کا اختلاف عین رحمت ہے جو بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں اور رحمتوں پر مبنی ہے اسی طرح فقہاء کا فروعی مسائل میں اختلاف بھی رحمت ہے۔یہ تو ناممکن ہے کہ دنیا میں اختلاف نہ ہو،لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ اختلاف کیسا اور کس قسم کا ہے،اگر وہ اختلاف اغراض اور نفسانی خواہشوں پر مبنی ہے تو بلاشبہ مذموم اور زحمت ہے جیسے اسمبلی الیکشن میں دو پارٹیوں کا اختلاف جو خود غرضیوں اور کینوں اور عداوتوں کا پورا پورا آئینہ ہوتا ہے،الیکشن کے اختلاف کو جس لڑائی سے بھی تشبیہ دیدی جائے تو انشاء اللہ دنیا کا کوئی جھگڑا گندگی اور پلیدی میں الیکشن کے اختلاف کے پاسنگ بھی نہ ہوگا۔اوراگر وہ اختلاف،اختلافِ فکرونظر ہے جیسے وزراء وارکان دولت اور

خیر خواہان سلطنت،کسی ملکی مسئلہ پر غور وفکر کرتے ہیں اس وقت بھی رائیں مختلف ہوتی ہیں لیکن یہ اختلاف سراسر رحمت ہوتا ہے۔

مختلف انظار وافکار کے جمع ہونے سے مسئلہ کا مالہ وماعلیہ اور مسئلہ کے تمام اطراف وجوانب اور اس کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں۔اور حقیقت واضح ہوجاتی ہے اور مشکلات سے نکلنے کا راستہ نظر آجاتا ہے،ایسی مجلس عجیب مجلس ہوتی ہے،نظر وفکر کی جولان گاہ اور عقل وتدبیر کی نمائش گاہ ہوتی ہے۔فقہائے کرام کا اختلاف اسی قسم کا تھا۔

صحابہ اور تابعین سے جو عقائد ثابت ہیں وہ صراحۃً کتاب اور سنت سے ثابت ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں،اور یہی عقائد مدار نجات ہیں اور ان ہی پر ایمان اور کفر کا فیصلہ ہوتا ہے۔

اصول دین اور عقائد اسلام میں ائمۂ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں،فروعی مسائل میں اختلاف ہے۔فقہائے کرام کا اختلاف ایسا ہے کہ اندھیری رات میں قبلہ مشتبہ ہوجائے اور قبلہ کے بارے میں رائیں مختلف ہوجائیں تو ایک بےخبر آدمی یہ سوچتا ہے کہ ان میں سے قبلہ کی شناخت میں کون افضل اور اکمل ہے،جو افضل ہوگا اسی کا اتباع کرے گا،اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اس وقت تک نماز نہیں پڑھوں گا جب تک یہ سب لوگ قبلہ کے بارے میں متفق الرائے نہ ہوجائیں،تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص نماز پڑھنا نہیں

چاہتا، نماز نہ پڑھنے کیلئے ایک بہانہ تراشتا ہے۔

اسی طرح فقہی اور دینی مسائل میں سمجھنا چاہئے، جو تمہارے اعتقاد میں سب سے زیادہ علم وفہم رکھتا ہو اس کی تقلید اور اتباع کرو۔ اگر تم بیمار ہو جاؤ اور شہر میں متعدد طبیب رہتے ہوں تو ایسے طبیب کا علاج پسند کرو گے جو تمہارے خیال میں سب سے زیادہ علم طب میں ماہر ہوں۔ تم کو یہ اختیار ہے کہ جس طبیب کا چاہو علاج کراؤ، مگر یہ اختیار نہیں کہ چار طبیبوں کے تجویز کردہ نسخوں میں سے جونسی دوا تم کو لذیذ معلوم ہو اس کو لے لو اور باقی کو چھوڑ دو۔

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر طبیب کا طریقِ علاج مختلف ہے، مگر اصول طب میں کوئی اختلاف نہیں، پس اگر کوئی مریض یہ کہے کہ میں اس وقت تک علاج نہیں کراؤں گا جب تک تمام طبیب ایک فریق پر متفق نہ ہو جائیں گے۔ تو اہل عقل سمجھ جائیں گے کہ یہ مریض کا بہانہ ہے، اس بہانہ سے یہ مریض اپنا علاج ہی کرانا نہیں چاہتا۔ جو مریض اطباء کے اختلاف کو علاج نہ کرنے کا بہانہ بناتا ہے تو سمجھ لو اس کا انجام سوائے ہلاکت اور موت کے کچھ نہیں۔

اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ میں اس وقت تک دین پر عمل نہیں کروں گا جب تک ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا اختلاف ختم نہ ہو جائے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ شخص بے دین ہے۔ فقہاء کے اختلاف کو بہانہ بنا رہا ہے، وہ دنیا کا کونسا فن ہے جس میں اس فن کے ماہرین کا اختلاف نہ ہو، مسائل طب میں اطباء کا

اختلاف ہے، اور مسائل فلسفہ میں حکماء کا اختلاف ہے، مگر سب جانتے ہیں کہ یہ اختلاف، اختلاف نظر وفکر ہے۔ اور ایسا اختلاف عالَم کیلئے رحمت ہے۔

اسی طرح فقہائے کرامؒ کے اختلاف کو سمجھو کہ وہ اختلاف بھی رحمت ہے بلکہ اطباء اور حکماء کے اختلاف سے ہزاروں درجہ بڑھ کر رحمت ہے، لہٰذا کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں احکام شرعیہ پر اس لئے عمل نہیں کرتا کہ فقہاء میں اختلاف ہے بعینہٖ ایسا ہی ہے کہ کوئی مریض، شدید بیماری میں مبتلا ہو اور کوئی طبیب اس کیلئے دوا تجویز کرے تو وہ مریض یہ کہے کہ چونکہ بعض دواؤں کے گرم اور سرد ہونے میں اطباء مختلف الرائے ہیں لہٰذا میں اس وقت تک علاج نہیں کراؤں گا جب تک اطباء کا یہ اختلاف رفع نہ ہو جائے یا کم از کم مجھ کو کوئی شخص یہ بتلا دے کہ یہ اختلاف کیونکر رفع ہو سکتا ہے۔ اختلاف ایک امر ازلی اور ضروری ہے، جب تک عالَم ہے اس وقت تک اختلاف بدستور قائم رہے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ ، ......الخ

[سورۂ هود ۱۱/۱۱۸]

ہمیشہ لوگ مختلف رہیں گے مگر جس پر حق تعالیٰ رحم فرمائیں اور اسی واسطے لوگ پیدا کئے گئے ہیں اور تیرے پروردگار کا حکم تمام ہوا اور پورا ہوا۔

الغرض اختلافِ خلق اور اختلافِ کائنات حق تعالیٰ کی قضائے ازلی ہے۔اس کے قضا کو کوئی رد نہیں کرسکتا اور نہ یہ کسی کی قدرت میں ہے کہ وہ باہمی اختلافات کو رفع کرسکے یا کوئی ایسا طریقہ قائم کردے جس سے ہمیشہ کیلئے اختلاف رفع ہوجائے۔

اگر امور دینیہ میں اختلاف ہے تو امور دنیویہ میں اس سے ہزار درجہ بڑھ کر اختلاف ہے، لیکن بایں ہمہ کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ میں دنیا کا کام اس وقت تک نہ کروں گا جب تک تمام لوگ متفق الرائے ہوجائیں، پس اگر فقہاء اور علماء کے اختلاف آراء کی وجہ سے دین کا ترک جائز ہے تو اہل دنیا کے اختلاف کی وجہ سے پہلے دنیا کا ترکِ ضروری ہونا چاہئے۔پس جس طرح دنیا میں اختلاف آراء کے وقت ،احتیاط کا طریقہ اختیار کرتے ہو اسی طرح مسائل دینیہ میں اختلاف کے وقت احتیاط کا طریقہ اختیار کرو۔مثلاً ایک امام کہتا ہے کہ عورت کے ہاتھ لگانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے اور دوسرا امام کہتا ہے کہ وضونہیں ٹوٹتا۔ایسی صورت میں آپ جس امام کو علم اور تقویٰ میں بڑھا ہوا سمجھیں اس کی پیروی کریں، یا جس میں احتیاط سمجھیں اس پر عمل کریں۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ سرے سے وضو ہی چھوڑ بیٹھیں اور یہ کہنے لگیں کہ جب تک فقہاء متفق الرائے نہیں ہوجائیں گے اس وقت تک میں وضو ہی نہ کروں گا۔یہ عذر نہیں بلکہ گریز اور پہلوتہی ہے۔

فرقۂ ناجیہ کی تعیین

نبوت ختم ہوگئی اور دین مکمل ہوگیا۔اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمادی کہ میرے بعد میری امت میں اختلاف ہوگا اور مختلف فرقے پیدا ہوں گے وہ ناری ہوں گے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا۔اور یہ بھی بتلادیا کہ حق اور صداقت اور نجات کا معیار کیا ہوگا۔وہ یہ ہوگا کہ ’’ما انا علیہ واصحابی‘‘ یعنی جو فرقہ میرے طریقہ پر اور میرے اصحاب کے طریقہ اور نقش قدم پر چلے گا وہ ناجی ہوگا، اسلئے کہ کتاب وسنت کا مفہوم اور جو علوم کتاب و سنت سے ماخوذ ومستفاد ہوں گے وہ وہی ہوں گے جو صحابۂ کرامؓ نے سمجھے ہیں۔

ہر بدعتی اور گمراہ اپنے فاسد عقائد کو اپنے زعم اور خیال میں کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہونے کا مدعی ہے۔لہٰذا کتاب وسنت کے وہی معانی اور مفاہیم معتبر ہوں گے جو حضرات صحابہؓ نے سمجھے ہیں،اس کے خلاف کسی مفہوم کا اعتبار نہ ہوگا۔جو شخص صحابۂ کرامؓ کے خلاف کتاب وسنت کا کوئی مفہوم بیان کرے بس یہی اس کے گمراہ اور بے عقل ہونے کی دلیل ہے۔اگر صحابہؓ نے نہیں سمجھے تو یہ نیم عربی داں اور یہ نیم انگریزی خواں کہاں سے سمجھ گئے؟

یہ نیم کی قید اسلئے لگائی کہ پورا عربی داں تو وہی سمجھے گا جو صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین نے سمجھا۔اور پورا انگریزی داں جو عربی سے بالکل بے خبر

ہوگا، سوا گروہ عاقل ہوگا تو وہ کتاب وسنت کے بارے میں کچھ لب کشائی نہ کرے گا۔اس لئے کہ عاقل اور دانا اس کتاب کے مطلب بیان کرنے پر کبھی جرأت نہیں کرسکتا جس کتاب کی وہ زبان نہ جانتا ہو۔

جس طرح ایک عربی زبان کا فاضل اور ادیب انگریزی قانون کی شرح کے بارے میں لب کشائی نہیں کرسکتا اسی طرح ایک انگریزی داں قرآن و حدیث کی تفسیر پر لب کشائی نہیں کرسکتا۔اور محض ترجمہ دیکھ کر اپنے کو قانون داں سمجھنا بھی نادان ہونے کی دلیل ہے۔جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت حق تعالیٰ کی اطاعت کا نمونہ ہے اسی طرح صحابۂ کرامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہیں۔لہٰذا جس طرح سنت نبوی اور اسوۂ پیغمبری کو طریقۂ خداوندی سے جدا نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اسوۂ صحابہؓ کو اسوۂ نبوی سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کے احکام ہم تک ان ہی دو واسطوں سے پہنچے ہیں۔قرآن کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول عظیم کے صحابہؓ کی مدح سے بھرا پڑا ہے، بغیر ان دو واسطوں کے مانے ہوئے دین باقی نہیں رہ سکتا۔لہٰذا فرقۂ ناجیہ وہ فرقہ ہوگا جو ان دو واسطوں کو مانتا ہو۔یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابۂ کرامؓ کے طریقہ کو مانتا ہو، وہ اہل سنت والجماعت کا گروہ ہے، شیعوں نے تو صحابہؓ کو بالکل کافر اور گمراہ قرار دیا۔ اور خارجیوں نے صحابۂ کرامؓ کی نصف جماعت کو کافر قرار دیا۔ اہل سنت

والجماعت نے سنت نبوی کو بھی لیا اور تمام صحابہؓ اور اہل بیت کو اپنا اسوہ اور قدوہ بنایا۔اور جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول راضی ہوئے ان سے یہ بھی راضی ہوئے اور ان کے طریقہ پر چلنے کو اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھا۔اللہ تعالیٰ تو صحابۂ کرامؓ سے راضی ہے، قرآن کریم ”رضی اللہ عنہم“ سے بھرا پڑا ہے۔اگر کوئی بدنصیب، صحابہؓ سے راضی نہیں تو صحابۂ کرامؓ ایسوں کی رضا کے محتاج نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے بعد ان کو اور کسی رضامندی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ شخص اپنے لئے سوچے کہ اللہ کو کس طرح راضی کرے گا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اہل ہویٰ اور اہل بدعت کے اصل سرگروہ یہ نو گروہ ہیں:

خوارج۔شیعہ۔معتزلہ۔مرجیہ۔مشبہ۔جہمیہ۔ضراریہ۔نجاریہ۔کلابیہ۔

پھر ان نو فرقوں کی شاخیں ہیں جو مل کر بہتر تک پہنچ جاتی ہیں۔اور ان تمام فرقوں کے اعتقادات حضرات صحابۂ کرامؓ کے اعتقادات سے ہٹے ہوئے ہیں۔اسلئے ان کو فرق ضالہ (گمراہ فرقے) کہا جاتا ہے۔

امام مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن بہتر فرقوں کے بارے میں ”کلهم فی النار“ آیا ہے اس سے دوزخ کا دائمی عذاب مراد نہیں، اسلئے کہ دوزخ کا دائمی عذاب ایمان کے منافی ہے۔دائمی عذاب کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔اور چونکہ یہ بدعتی فرقے سب اہل قبلہ ہیں اس لئے ان کی تکفیر

میں جرأت نہ کرنی چاہئے جب تک کہ دینی ضروریات کا انکار اور احکام شرعیہ کے متواترات کو رد نہ کریں اور ان احکام کے جو دین سے ضروری طور پر ثابت ہو چکے ہوں منکر نہ ہوں۔

فائدۂ جلیلہ

جاننا چاہئے کہ علماء متکلمین نے ان بہتر [۷۲] فرقوں کو اپنی کتابوں میں شمار کیا ہے لیکن تکلف سے خالی نہیں۔ اسلئے کہ اگر ظاہر اور مشہور فرقوں کی تعداد دیکھی جائے تو بہتر [۷۲] سے بہت کم ہے اور اگر مشہور اور غیر مشہور سب کو شمار کیا جائے تو تعداد بہتر [۷۲] سے بڑھ جاتی ہے۔

لہٰذا احتیاط کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہائے امت کے افتراق کو کسی زمان یا مکان کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ ممکن ہے کہ بعض فرقے ابھی پیدا بھی نہ ہوئے ہوں اور آئندہ چل کر پیدا ہوں۔ نیز دو فرقے جب کہلاتے ہیں کہ جب ان کے اصول مذہب مختلف ہوں، لیکن اگر دو فرقے ایسے ہوں کہ ظاہراً تو باہم مختلف ہوں لیکن اصول دونوں فرقوں کے ایک ہوں تو وہ فرقے ملا کر ایک ہی فرقہ سمجھا جائیگا، اس طرح ان تمام شاخ در شاخ فرقوں کی تعداد اصولی اختلاف کے لحاظ سے انشاء اللہ بہتر [۷۲] سے متجاوز نہ ہوگی۔

اور چونکہ یہ بہتر [۷۲] فرقے سب اہل قبلہ ہیں اس لئے ان کیلئے یہ شرط ہوگی کہ ضروریات اسلام اور قطعیات دین کے منکر نہ ہوں۔ اسلئے کہ جو شخص ضروریات دین کا منکر ہو وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ مثلاً اگر کوئی رافضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو یا تحریف قرآن کا قائل ہو یا حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہو تو اس قسم کا عقیدہ رکھنے والا ہرگز اہل قبلہ سے نہ ہوگا۔

فرقۂ خوارج

اسلام میں سب سے پہلا فرقہ خوارج کا ہے، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانۂ خلافت میں ظاہر ہوا، جو صحابہ کرامؓ کے عقائد سے ہٹا ہوا تھا۔ اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسی فرقہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقابلہ کیا اور ان کی اطاعت سے خروج کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے ساتھ قتال کیا اور اس فرقہ کے آدمیوں کو قتل کیا۔ مگر بایں ہمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کو کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ کے خروج اور ظہور کی خبر دی تھی، یہ احادیث صحاح ستہ میں مذکور ہیں۔

فرقۂ شیعہ اور روافض

اسی زمانہ میں فرقۂ خوارج کے بالمقابل ایک فرقہ شیعہ پیدا ہوا جو اپنے کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرفدار بتاتا تھا۔ بعض شیعوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت میں اس قدر غلو ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا سمجھنے لگے، یہ لوگ دراصل زندیق تھے ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اولاً ان کو سمجھایا اور منع کیا، مگر جب انہوں نے نہ مانا تو ان لوگوں کو قتل کیا اور قتل کرنے کے بعد عبرت کیلئے آگ میں جلا دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرفداروں کا ایک فرقہ وہ تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور امامت میں کلام کرتا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سب سے افضل سمجھتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس فرقہ کی اصلاح کیلئے اپنے دارالخلافت میں برسر منبر اور برسر مجلس اس کا اعلان فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام امت میں سب سے افضل ہیں اور جلوت اور خلوت میں شیخین کی افضلیت کو ظاہر فرمایا اور یہاں تک فرمایا کہ جو شخص مجھ کو ابوبکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دے گا تو میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جو مفتری کی سزا ہے۔ پھر شیعوں میں بہت فرقے پیدا ہو گئے۔

فرقۂ قدریہ اور جبریہ

صحابہ کرامؓ کے اخیر زمانہ میں ایک فرقۂ قدریہ ظاہر ہوا جو قضا و قدر کا منکر ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ قضا و قدر کچھ نہیں، بندہ مختار مطلق ہے، بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے، پہلے سے کوئی شئی مقدر نہیں، حتیٰ کہ حق تعالیٰ کو پہلے سے بندہ کے افعال کا علم بھی نہیں ہوتا، بندہ کے کرنے کے بعد حق تعالیٰ کو علم ہوتا ہے، معبد جہنی اور غیلان دمشقی اور جعد بن درہم، اس مسلک کے حامی اور مددگار بلکہ علم بردار تھے۔ متأخرین صحابہؓ نے (جن کے زمانہ میں یہ ظاہر ہوئے) ان لوگوں سے تبرّی اور بیزاری ظاہر فرمائی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور جابر بن عبداللہؓ اور ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ اور عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم اپنے اصحاب کو یہ وصیت کرتے تھے کہ قدریہ کو نہ سلام کرنا اور نہ ان کی جنازہ پڑھنا اور نہ ان کے مریض کی عیادت کرنا۔ یہ فرقہ جو سرے سے اللہ تعالیٰ کے علم ہی کا منکر ہے وہ تو اسلام سے خارج ہے۔ البتہ جو فرقہ بندہ کو مختار مطلق اور اپنے افعال کا خالق سمجھتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں۔ اسی زمانہ میں اس کے بالمقابل ایک دوسرا فرقہ پیدا ہوا کہ بندہ شجر اور حجر کی طرح مجبور محض ہے۔ بندہ کو قضا و قدر جدھر لے جاتی ہے اسی طرف بندھ جاتا ہے۔ اس فرقہ کا نام فرقۂ جبریہ ہے۔

فرقۂ معتزلہ

پھر تابعین کے اخیر زمانہ میں ایک فرقہ نکلا جو فلسفیانہ خیالات کی بنا پر کتاب وسنت کی نصوص میں تاویل کرتا تھا، اور یہ کہتا تھا کہ آخرت میں دیدار الٰہی ناممکن ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی نہ مؤمن رہتا ہے اور نہ کافر۔ ایمان اور کفر کے درمیان ایک مرتبہ اور درمیانی واسطہ کا قائل تھا۔

واصل بن عطاء اس فرقہ کا سرگروہ تھا۔ حضرت حسن بصریؒ نے اس کو اپنی مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ "اِعۡتَزِلۡ عَنَّا" (ہم سے الگ ہو جاؤ) اسلئے اس فرقہ کا نام معتزلہ ہوگیا۔

فرقۂ مرجیہ

اس کے بعد ایک فرقۂ مرجیہ پیدا ہوا جس کا نام جہمیہ بھی ہے جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے، جہم بن صفوان اس فرقہ کا سربراہ تھا اور جعد بن درہم اس کا معین اور مددگار تھا۔ یہ لوگ صفات باری تعالیٰ کے منکر تھے اور قرآن کو مخلوق اور حادث بتاتے تھے۔ اور فلسفیانہ خیالات سے مسلمانوں کے عقائد میں شکوک اور شبہات پیدا کرتے تھے حتیٰ کہ واثق باللہ عباسی اور معتصم باللہ بھی ان کے ہم نوا ہوئے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر علماء اسلام کو ان سے بہت تکلیفیں پہنچیں۔

فائدہ

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ چار مذہب یعنی مذہب قدریہ اور مذہب مرجیہ اور مذہب خوارج اور مذہب روافض، یہی چار مذہب باقی مذاہب باطلہ کے پیدا ہونے کے سبب ہیں۔ جیسا کہ اخلاط اربعہ خون اور صفراء اور بلغم اور سوداء، امراض مختلفہ کے پیدا ہونے کے سبب ہوتے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء)

یہ اسلام کے مشہور فرقے ہیں اور ہر فرقہ کی شاخیں ہیں، مثلاً خوارج کے اندرونی فرقے بیس ہیں، اور اسی طرح روافض کے فرقے بھی بیس ہیں، اور قدریہ و مرجیہ کے بھی مختلف فرقے ہیں جن کی تفصیل ملل ونحل کی کتابوں میں ہے۔ یہ سب مل کر بہتر [۷۲] ہو جاتے ہیں۔ اور تہتر واں [۷۳] فرقہ فرقۂ ناجیہ ہے جو اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان فرقوں میں بعضے ایسے بھی فرقے ہیں جو قطعیات اسلام اور ضروریات دین کے منکر ہیں۔ وہ کافر ہیں اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں مثلاً جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت کے قائل ہیں یا قرآن کریم میں تحریف کے قائل ہیں۔ یا یہ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی پہنچانے میں غلطی ہوئی، بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ اس قسم کے عقیدے رکھنے والوں کا اسلامی فرقوں میں شمار نہیں۔ البتہ جو فرقے اسلام کی قطعی الثبوت چیزوں میں شک نہیں رکھتے وہ اسلامی فرقے سمجھے جائیں گے۔ خوارج اور روافض کی تکفیر کا مسئلہ نہایت پیچیدہ اور دشوار ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے ان کی تکفیر کی اور ایک جماعت نے ان کو گمراہ اور فاسق اور مبتدع قرار دیا کافر نہیں کہا۔

حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک فارسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”شیعہ اور خوارج کا عجیب حال ہے، نہ مؤمن کہتے بن پڑتے ہیں اور نہ کافر کہتے۔ ان دونوں فرقوں کا حال اس خط کے مشابہ ہے کہ جو نور اور سایہ کے درمیان حد فاصل ہو، وہ خط نہ نور ہی ہے اور نہ سایہ، مگر حد فاصل ہونے کی وجہ سے دونوں جانب سے ربط اور تعلق ہے، ایک اعتبار سے نورانی ہے اور ایک اعتبار سے ظلماتی ہے، اس اعتبار سے کہ توحید و رسالت کے منکر نہیں، قرآن و حدیث کے مکذب نہیں اور زبان سے کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں، صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو فریضۂ اسلام سمجھ کر بجالاتے ہیں اس اعتبار سے مؤمن معلوم ہوتے ہیں، اور جو عقائد فاسدہ اور خیالات کاسدہ اور رسوم شنیعہ اور معمولات قبیحہ ان کی کتابوں میں مذکور ہیں ان سے انسان حیران ہوتا ہے کہ کتاب و سنت اور دین اسلام میں ان کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اس لئے ان کے کفر میں علماء کا اختلاف رہا۔“

حضرات فقہاء اور محدثین کا قول فیصل اس بارے میں یہ ہے کہ خوارج اور روافض دراصل دونوں اسلامی فرقے ہیں، یہود و نصاریٰ کی طرح کافر نہیں، البتہ خوارج اور روافض کے وہ فرقے جو ضروریات دین اور قطعیات اسلام کے منکر ہیں وہ کافر ہیں۔ مثلاً شیعوں کے بعض فرقے اس کے قائل ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں خدا حلول کر آیا۔ یا جبرئیل علیہ السلام غلطی سے وحی بجائے حضرت علی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لے گئے۔ ایسے لوگ کافر ہیں۔ اور جو شیعہ صرف تبرائی ہیں اور حضرات صحابہؓ کی شان میں سب و شتم کرتے ہیں اور ضروریات دین اور قطعیات اسلام کے منکر نہیں وہ گمراہ اور بدعتی ہیں کافر نہیں، خوارج کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد مبارک موجود ہے:

هٰؤلآء اخواننا قد بغوا علينا . — یہ خارجی ہمارے اسلامی بھائی ہیں ہم سے باغی ہوگئے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کا خون بہایا۔ لیکن نہ ان کا مال بطور غنیمت تقسیم فرمایا اور نہ ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا کر مجاہدین پر تقسیم کیا۔ معاملہ باغیوں سا کیا، کافروں جیسا معاملہ نہیں کیا۔ اور علیٰ ہذا جو شیعہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں وہ کافر نہیں۔ ان سے مناکحت وغیرہ جائز ہے۔ اور حضرات محدثین کا بھی طرز عمل اسی پر دلالت کرتا ہے کہ خوارج اور

روافض کا فرنہیں۔اس لئے کہ محدثین نے خوارج اور روافض سے بھی روایتیں لی ہیں مگر روافض سے بہت ہی کم بلکہ شاذ و نادر ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ خوارج کے نزدیک جھوٹ بولنا کفر ہے اور روایت کا زیادہ تر دارومدار صدق راوی پر ہے۔اسلئے خوارج سے تو روایت لے لی مگر روافض سے روایت نہیں لی،اسلئے کہ روافض کے یہاں تقیہ جزو ایمان ہے اس لئے اس کی کوئی روایت قابل اطمینان نہیں۔نیز روافض سے جو روایت لی گئی وہ مقروناً بالغیر لی گئی یعنی دوسرے راوی بھی اس کے ساتھ روایت کرتا ہو۔تنہا شیعی کی کوئی روایت معتبر نہیں مانی گئی۔واللہ اعلم

۞......۞......۞......۞......۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سند الحديث للعلامة شيخ الحديث و شيخ التفسير وشيخ الطريقة حضرت مولانا الطاف حسين صاحب اطال الله بقاء ه و مد فيوضه العالية

قال عبدالله بن المباركؒ : " الا سناد من الدين و لولا الا سناد لقال من شاء ما شاء" مسلم ۱۲/۱]

۞...... **سيدنا و سيد الأنبياء و ا مام الرسل محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم ،**

۞...... **سيدنا عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه**

۞...... **سيدنا علقمة بن وقاص الليثى رحمة الله تعالىٰ عليه**

۞...... **سيدنا محمد ابراهيم التيمى رحمة الله تعالىٰ عليه**

۞...... **يحيىٰ بن سعيد الأنصارى رحمة الله تعالىٰ عليه**

۞...... **سفيان الثورى رحمة الله تعالىٰ عليه**

۞...... **الشيخ الحُميدى رحمة الله تعالىٰ عليه**

۞...... **امير المؤمنين فى الحديث الشيخ ابى عبدالله محمد بن اسماعيل بن ابراهيم البخارى رحمة الله تعالىٰ عليه**

۞...... **الشيخ ابوعبدالله محمد بن يوسف الفِربدى رحمة الله**

تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ ابو محمد عبدالله السرخسی رحمة الله علیه

۞...... الشیخ ابو الحسن عبدالرحمٰن بن مظفر الداودی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ ابو الوقت عبد الأول السجزی الهروی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ سراج الحسین بن المبارک الزبیدی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ ابو العباس احمد بن ابی طالب الحجار رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ ابراجیم التنوخی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ الحافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ زین الدین زکریا الأنصاری رحمة الله علیه

۞...... الشیخ شمس الدین محمد بن احمد الرملی رحمة الله علیه

۞...... الشیخ احمد بن عبدالقدوس ابو المواهب الشنّاوی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ احمد القشاشی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ ابراهیم الکردی المدنی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ ابوطاهر محمد بن ابراهیم الکردی رحمة الله علیه

۞...... الامام الهمام قطب الدین احمد المدعو بولی الله الدهلوی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ الشاه عبدالعزیز الدهلوی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ الشاه اسحٰق الدهلوی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... الشیخ الشاه عبدالغنی الدهلوی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... حجة الاسلام قاسم العلوم والخیرات محمد قاسم النانوتوی و أیضاً فقیه العصر المحدث الشیخ رشید احمد الغنغوهی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... شیخ الهند محمود الحسن الدیوبندی رحمة الله علیه

۞...... الشیخ الشاه انور کشمیری رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... شیخ التفسیر و الحدیث العلامة ادریس الکاندهلوی رحمة الله تعالیٰ علیه

۞...... شیخ الحدیث و شیخ الطریقة العلامة الطاف حسین زید مجده العالی ،

۞...... **فائدہ** : مذکورہ بالاحضرات محدثین کے مختصر احوال کیلئے ملاحظہ ہو ”**العناقید الغالیة من الأسانید العالیة**“ مصنفہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب برنی رحمۃ اللہ علیہ۔

۞......۞......۞......۞......۞